USIC . P 19-1-10

Title — ISLAM AUR MADNIYAT .

Author — Saeed Ahmad .

Publisher — Mehboob Al Mataba Barqi Press (Delhi) .

Date —

Pages — 154

Subjects —

CALL No. { ٢٩٤٥٠١ / س٣٣١م ACC. No. ٥١٠

AUTHOR عبدالحمید

TITLE اسلام اور مغربیت

URDU STACKS

س٣٣١م ٢٩٤٥٠١
عبدالحمید اسلام اور
مغربیت ١٩٤٩ ٥١٠

Date

THE BOOK

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور مدنیت

نوشتہ

جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب

مصنف "اسلام اور عبادت" و "اسلام اور عورت" وغیرہ

جسے

حقوق اشاعت حاصل کر کے

ملا محمد واحدی، اڈیٹر رسالہ نظام المشائخ، دہلی

نے

مرزا محبوب بیگ صاحب کے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

(قیمت فی جلد سوا روپیہ - علاوہ محصول ڈاک)

ACCESSIONED
CHECKED
Date..........

عبد اور معبود کے تعلقات

اپنے مالک اور اپنے خالق کے حضور میں انتہائی عاجزی کے ساتھ گڑگڑانا یوں بھی بہت کچھ تسکین قلب کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح گڑگڑانے کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے اور اس میں کیا کیا عجیب و غریب حکمتیں پوشیدہ ہیں تو ظاہر ہے کہ عبادتوں کا لطف دس گنا بڑھ جائیگا۔ طوطے کی طرح چند الفاظ رٹ کر زبان سے ادا کر دینے میں بھی اگرچہ ایک راحت اور ایک لذت ہے لیکن اگر عبادتوں کا اصلی مقصد اور مفہوم بھی معلوم ہو تو یقیناً وہ بہت زیادہ پُرکیف اور مسرت بخش بن جائیں گی۔

اسلام اور عبادت

کے نام سے جو کتاب مشہور و معروف مصنف جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے لکھی ہے اس میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے اصلی مقاصد بتائے گئے ہیں اور بہت ہی مدلل طریقہ پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عبادت الٰہی کے ان سے بہتر طریقے اور کوئی نہیں ہو سکتے کیونکہ جہاں ان کے ذریعے ایک طرف عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں اور بندہ اپنے آقا کے حضور میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ وہاں ساتھ ہی ساتھ ان سے عبادت کرنے والے کو طرح طرح کے مادی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب میں وہی خصوصیت موجود ہے کہ بالکل خشک اور پھیکے مضمون کو حد سے زیادہ دلچسپ بنا دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ لینے کے بعد ناممکن ہے کہ نماز اور روزہ میں دُگنا اور چوگنا لطف نہ آنے لگے۔

قیمت فی جلد آٹھ آنے علاوہ محصول

ملنے کا پتہ

منیجر رسالہ نظام المشائخ۔ پوسٹ بکس ۵۱۔ دہلی

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U510

تمہید

مٹی کا کھلونا لاکھ کوشش کرے اور ہزار سر پٹکے کہ کسی طرح اس کے تعلقات کمہار کے ساتھ برابری کے ہو جائیں یا یہ کہ کم از کم یہ حقیقت ہی کسی طرح بدل جائے کہ کمہار نے اسے بنایا تھا لیکن اسے کامیابی نہیں ہو سکتی، اور کھلونا کمہار کی صناعی کا اقرار کرے یا انکار بہر صورت و بہر حالت اس کا بنانے والا کمہار ہی رہتا ہے۔ کسی ملک کی رعایا کا کوئی فرد خواہ کتنا ہی گلا پھاڑ پھاڑ کر کیوں نہ چلائے کہ وہ اس ملک کے بادشاہ کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا پھر بھی یہ ناممکن ہے کہ جب تک وہ اس ملک میں موجود ہے اس وقت تک اس واقعیت میں کوئی تبدیلی ہو سکے کہ وہ اس بادشاہ کی رعیت ہے۔ ہمارے ملک میں انگریزوں کی حکومت ہے، ہم اسے تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن یہ حقیقت بہر صورت حقیقت ہی رہیگی کہ وہ حکمران ہیں اور ہم محکوم اور انگریزوں کے قوانین کو ہم اچھا سمجھیں یا برا۔ بہر حال ان کا اثر و نفوذ ہم پر اسی طرح ہوتا رہیگا۔

اگر خدا فی الحقیقت خدا ہے اور اگر یہ واقعہ ہے کہ اس نے ہمیں اور ہمارے ساتھ تمام دنیا کو پیدا کیا ہے تو خواہ تمام دنیا انکار کرنے پر آمادہ ہو جائے

پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر بدستور قائم رہیگی کہ وہ خالق ہے اور ہم مخلوق اور ہم عبد ہیں اور وہ معبود وہ دعوائے خدائی نمرود کرے یا شداد اور خدا کے وجود سے مشرقی ملحد انکار کرے یا مغربی فلاسفر، بہرحال اگر خدا ہے تو اس کی حکومت اور بادشاہت پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور اس کا قانون نمرود اور شداد کے دعووں کی حقیقت بھی آشکارا کر دیتا ہے اور مادہ پرستوں اور ملحدوں کو بھی اپنی اطاعت پر مجبور کر لیتا ہے۔ ہمیں پیدا کرنے والا اور اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے لئے اس دنیا میں کچھ قانون بنا دینے والا خدا اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ ہم اس کی خدائی کا اعلان دنیا بھر میں کرتے پھریں یا یہ کہ ہماری گردن اس کے قوانین کے سامنے جھک جایا کرے۔ اس کی بادشاہت اور حکومت ایک حقیقت اور ایک واقعیت ہے۔ جس میں ہم اپنی انتہائی کوشش کے باوجود بھی کبھی فرق نہیں ڈال سکتے اور اسکے قوانین ہمارے انکار کے علی الرغم ہم پر اس طرح حاوی ہیں کہ ہم کسی طرح بھی ان میں سے کسی ایک کے اثر کو نہیں ٹال سکتے۔ سو درجہ سنٹی گریڈ کی حرارت پیدا ہو جانے پر دنیا کی کوئی طاقت پانی کو ابلنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ آکسیجن گیس کی عدم موجودگی میں دنیا کا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ سائنس داں آگ کو روشن نہیں کر سکتا، اور موت کے اسباب مہیا ہو چکنے کے بعد کوئی حکیم اور کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو ایک لمحہ کے لئے بھی مر جانے سے نہیں روک سکتا۔ انسان کا خدا کی خدائی سے انکار یا اس کی قدرت اور طاقت کا اقرار کسی حالت میں بھی خدا کی حکومت پر کوئی اچھا یا برا اثر نہیں ڈال سکتا۔ اس لیے یہ خیال کرنا کہ مذہب کے احکام کے ماتحت ہم خدا کی جو عبادت کرتے ہیں یا اس کے بتائے ہوئے رستوں پر چلتے ہیں تو اس سے خدا کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے انتہائی حماقت اور بے وقوفی ہے۔ جب بزرگ

اور بالاتر ہستی کی قوت اور طاقت ہماری طاقت اور ہمارے اختیار کے دائرہ سے بالکل باہر ہو، اور صرف باہر ہی نہیں، بلکہ ہماری طاقت پر حاوی ہو اسکی قدرت کا اگر ہم یکسر انکار کردیں تب کیا اور اگر رات دن اس کی مدح سرائی کیا کریں تب کیا۔ ہمارا کفر اور انکار خدائے پاک کی قدرت میں ایک ذرہ کے برابر بھی کمی نہیں پیدا کرسکتا، اور ہماری شب و روز کی طاعت اور عبادت اس کے لامحدود اختیارات میں ایک ذرہ کے بقدر اضافہ نہیں کرسکتی۔

خدا نہ ہمارے کفر سے خائف ہے اور نہ ہماری عبادتوں کا محتاج۔ اس لئے بلا اندیشہ تردید کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس نے ہمیں کچھ حکم دئے ہیں تو لازمی طور پر اُن کی اچھائی اور برائی سے ہم ہی اثر پذیر ہوسکتے ہیں۔ مذہب اگر وہ خدا کی طرف سے آیا ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ہر حکم ایسا ہو کہ جو ہمارے لئے مفید ہو اور اس دنیا میں ہماری زندگیوں کو کامیاب اور آسان بنائے انسان چونکہ طبعاً ایک متمدن حیوان ہے اور چونکہ اس کے لئے لازمی ہے کہ اپنے بنی نوع کے ساتھ مل جلکر رہے سہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ہماری زندگی کی کامیابی اور آسانی کا راز صرف اس بات میں پنہاں ہے کہ ہمارے تعلقات اپنے ابنائے جنس کے ساتھ کس قسم کے ہیں۔ اگر ہم دوسروں کے ساتھ مل جلکر رہنا جانتے ہیں۔ اگر ہمیں وہ اصول معلوم ہیں کہ جن کی بدولت ہم ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے ساتھ رہ کر بھی کبھی فتنہ اور فساد کا موقعہ نہ آنے دیں، اور اگر ہم ایک ایماندار شہری کی زندگی کے طریقوں سے واقف ہیں تو یقیناً ہماری زندگی کامیاب اور پرامن ہوسکتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر ہم اس قسم کے اصولوں سے ناواقف ہیں تو ہماری زندگیاں ناکام اور غیر اطمینان بخش رہیں گی

ایک گھڑی کی زندگی کو ہم صرف اسی حالت میں کامیاب کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نہایت صحیح وقت دیا کرے ۔ ایک گھوڑے کی زندگی کی کامیابی کے یہ معنی ہیں کہ وہ مدت العمر منہ زوری اور بدرکابی نہ کرے اسی طرح ایک انسان کی زندگی صرف اسی حالت میں کامیاب کہلا سکتی ہے کہ اس کا ظاہر اور باطن انسانی صفات حسنہ سے آراستہ ہو اور اس میں انسانیت بدرجہ کمال پائی جائے ۔ انسانیت درحقیقت ہمارے اچھے اور پسندیدہ اخلاق کا نام ہے اور اخلاق تمدن کے اصولوں کے سوا اور کسی چیز کو نہیں کہا جاتا۔ اس لئے مجبوراً ماننا پڑے گا کہ اچھا شہری ہونا یا اچھا انسان ہونا بالکل ہم معنی جملے ہیں اور ہماری زندگی کی کامیابی یا ہماری انسانیت کی معراج صرف اس بات پر منحصر ہے کہ تمدن اور معاشرت کے جن اصولوں کی پابندی ہم نے اختیار کی ہے وہ کیسے ہیں ۔ دنیا میں یوں زندگی بسر کرنے کو تو انسان کیا معنی، چھوٹے سے چھوٹے اور حقیر سے حقیر کیڑے مکوڑے بھی کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی کے دن گذارا ہی کرتے ہیں لیکن اگر انسان بھی انہی کیڑے مکوڑوں کی طرح لڑتا اور مرتا رہے اور یوں مر گر کر اپنی زیست کے دن پورے کر لیا کرے تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اسے ساری مخلوقات سے اشرف ہونے کا تمغہ کیوں دیا جائے، اور کس بنا پر اسے خدائے حکیم و قدیر کا نائب یا خلیفہ کہا جائے اگر محض چند اتفاقات یا تھوڑی سی بہیمانہ طاقت ہی ہمیں زندگی کی کشمکش میں کامیاب بنایا کرے اور ہم اکثر مخلوقات ایزدی پر حکمران نہیں ، بلکہ اُن کے محکوم اور اُن سے مغلوب ہو کر زندگی بسر کرنے پر مجبور رہیں تو پھر ہمیں یہ کہنے کا کیا حق رہ جاتا ہے کہ ہم نوع آفرینش میں اُن سے بہتر اور برتر قسم کی مخلوق ہیں۔ ہمیں عام جانوروں سے خود کو افضل اور اشرف ثابت کرنے کے لئے اپنے اندر کچھ ایسی صفات

اچھی پیدا کرنی پڑیں گی جو باقی تمام مخلوق میں نہ پائی جاتی ہوں اور یہی صفات عالیہ یہی ہو سکتی ہیں کہ ہم اپنی زندگی کو صرف اتفاقات اور بہیمانہ قوت کے رحم پر منحصر نہ رکھیں بلکہ اپنے دماغ سے کام لیکر ان قوتوں پر بھی حکومت کرنے لگیں کہ جن کی بدولت اتفاقات ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کو بھی جہانتک ممکن ہو سکے آپس کی کشمکش اور ہر وقت کے باہمی تصادم سے محفوظ رکھیں۔ یہ حالت اور یہ صورت صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ جب تمام دنیا کے انسان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرنے کے متعلق کچھ ایسے قاعدے اور قانون مقرر کر لیں کہ جن کی رو سے حضرت آدم کے اس کنبے کا کوئی فرد اپنے کسی دوسرے بھائی کے کاموں میں مخل اور اس کے لئے باعث تکلیف و مضرت نہ ہو۔ اس قسم کے قانون ہر قوم کو رات دن کی باہمی آویزشوں سے تنگ آکر بنانے پڑے ہیں اور تمام ایسی انسانی جماعتیں جو اپنی وحشت اور بربریت کو چھوڑ کر تہذیب اور تمدن اختیار کر چکی ہیں چند ایسے قواعد و ضوابط کی ضرور پابند ہیں۔ جن کی بدولت اب ان کے افراد میں بھیڑیوں اور کتوں کی طرح ہر وقت خونریزی اور جنگ نہیں ہونے پاتی، اور سب امن اور اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی گذار سکنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ان قانونوں میں سے بعض کو ہم اخلاقی قانون کہتے ہیں اور بعض کو ملکی یا شہری قانونوں کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کا نام خواہ اخلاقی قواعد کہا جائے یا ملکی قوانین، بہر صورت و بہر حالت ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ کوئی ایک شخص کسی دوسرے کی تکلیف کا باعث نہ بن سکے اور اس طرح تمام جماعت یا تمام قوم اطمینان و آرام کے ساتھ اپنے علم و فضل میں برابر

ترقی کرتی رہے اور ہر آنے والی نسل اپنے پیشروؤں سے بہتر انسانوں کی جماعت بن سکے۔

بڑے سے بڑے ملحد اور لامذہب بھی خدا کی ہستی اور خدا کی حکومت سے قطعی انکار کرنے کے باوجود اس بات پر ضرور مجبور ہیں کہ خدا کے بنائے ہوئے قانون کے نام سے نہ سہی۔ خود انسان کے اپنے ہی بنائے ہوئے قواعد کے نام سے ان تمام باتوں کی پابندی اپنے لئے ضروری سمجھیں جن کی بدولت ملک میں امن قائم ہو اور انسان حیوانوں کی طرح آپس میں دست و گریباں نہیں ہونے پاتے۔ مختلف قوموں نے اپنے اپنے طور پر اس قسم کے قوانین مرتب کئے ہیں ان میں سے بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ جن قوانین کی وہ پابندی کر رہے ہیں وہ الہامی ہیں اور خدا نے اپنے کسی خاص بندہ کی معرفت انہیں بتائے تھیں اور بعض جنہیں مذہب، الہام، اور خدا کے نام ہی سے کچھ بغض و عناد ہے اسے اپنی توہین خیال کرتے ہیں کہ وہ مذہب کی بتائی ہوئی کسی بات پر عمل کریں۔ اس لئے دو چار لفظوں کے ایرپھیر سے وہ انہی قاعدوں اور قانونوں کو اپنے ملک میں رائج کر لیتے ہیں اور اس طرح اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ مدنیت کے جو ضابطے انہوں نے رائج کئے ہیں وہ ان کے اپنے بنائے ہوئے ہیں دنیا اب لاکھوں برس کی پرانی ہو چکی ہے، اور ہزاروں برس سے انسانوں کے تجربے اب تحریری صورت میں محفوظ چلے آرہے ہیں۔ اس لئے اس موجودہ زمانہ میں تو یہ بات کچھ زیادہ مشکل نہیں معلوم ہوتی کہ کوئی عقلمند شخص انسانی دنیا کے ہزاروں برس کے تجربوں سے فائدہ اٹھا کر اس قسم کے چند قانون بنا دے کہ جن کی بدولت لوگ پر امن زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن ایک ہزار برس پہلے کسی انسان کے لئے یہ بات بالکل ناممکن تھی کہ وہ تنہا بلا کسی دوسرے کی مدد کے

تمام ایسی باتوں کو سوچ لے کہ جنکی وجہ سے انسانوں میں باہم تصادم ہوا کرتا ہے اور ان کے روکنے کے لئے ضروری قانون بنائے۔ پرانے زمانہ میں جن حکیموں اور فلاسفروں نے اس قسم کی کوششیں کی تھیں اور تمدن یا اخلاق کے قوانین بنائے تھے ان میں سے اکثر کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اس کام پر مامور تھے اور جو کچھ انکی زبان سے نکلتا تھا وہ درحقیقت الہامی تعلیم ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام مذہبوں میں جن باتوں کو اچھا بتایا گیا ہے یا جن باتوں کو جرم اور گناہ قرار دیا گیا ہے وہ یکساں ہیں۔

آج جن قوموں کو اپنی تہذیب اور اپنے تمدن پر بڑا ناز ہے اور جو بزعم خود یہ خیال کرتی ہیں کہ اچھی شہری زندگی بسر کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ملک میں اپنے بنائے ہوئے قوانین کو رواج دیا ہے وہ درحقیقت سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ان کے ان قانونوں میں ان کی اپنی کوئی چیز بھی نہیں ہے، اور انہوں نے اپنی قوم یا اپنی جماعت کے لئے جو قاعدے اور قانون بنائے ہیں وہ تمام تر وہی ہیں جو اس سے بہت پہلے مختلف مذہبی پیشواؤں یا پیغمبروں کی زبان سے سُنے جا چکے ہیں اور فرق صرف اس قدر ہے کہ مذہب کے نام سے چلنے والی قوموں نے اب ان کا نام مذہبی احکام کی بجائے ملکی یا اخلاقی قوانین رکھ دیا ہے۔ تمام وہ باتیں کہ جنہیں مذہب گناہ قرار دیتا ہے آج ہمیں لامذہبوں کے قانون میں بھی جرموں کی فہرست میں داخل نظر آرہی ہیں، اور ہر وہ کام جسے مذہبوں نے نیکی اور عمل خیر بتایا ہے آج ملکی اور اخلاقی قانون کی رو سے بھی ایک اچھا اور قابل ستائش فعل ہے، اور ان تمام باتوں کے باوجود یہ دیکھنا کس قدر حیرت انگیز ہے کہ مذہبی قانون کی اس قدر اچھی طرح پیروی اور تقلید کرنے والے مذہب کے نام سے چڑتے ہیں اور ہمیشہ اپنے آپ کو لامذہب کہنا پسند کرتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت

"لا مذہب" ایک بالکل بے معنی اور مہمل لفظ ہے کیونکہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس کا کوئی نہ کوئی مذہب نہ ہو۔ اگر کوئی شخص خدا کو نہیں مانتا اور اس کے رسولوں کا منکر ہے تو اس کا یہی مذہب ہے۔ مذہب کے معنی راستہ کے ہیں اور اس دنیا میں رہنے کے لئے ہم جو راستہ بھی اختیار کر لیں وہی ہمارا مذہب ہوگا۔ مذہب کے نام سے اس طرح جلنے اور نفرت کرنے کی ابتدا حقیقتاً یورپ کی تاریخ کے زمانہ متوسطہ سے پڑی ہے کہ جب وہاں پادریوں کا راج تھا اور وہ مذہب کے نام سے ہر قسم کے ناروا اور ناکردنی کاموں کے مرتکب ہوا کرتے تھے۔ متبرک اور مقدس راہب جو بظاہر دنیا سے اس درجہ متنفر تھے کہ شادی تک نہیں کرتے تھے، اور کنواری مریم کے نام پر عمر بھر کنواری رہنے والی راہبات خاص گرجاؤں کے اندر ایسی ایسی ناگفتہ بہ حرکات کے مرتکب ہوتے تھے کہ جن کے صرف خیال سے ایک بڑے سے بڑے گناہ گار اور بدکار انسان کو بھی شرم آجائے گی۔ گرجاؤں کے صحن کی زمینوں میں ایسی لاتعداد معصوم ہستیاں مدفون اور روپوش پڑی ہیں جو ان مقدس لوگوں کی سیاہ کاریوں کا نتیجۂ اعمال تھیں اور لاکھوں بےگناہ اور بے قصور روحیں آجتک عالم بالا میں فریاد کناں پھر رہی ہیں جنہیں خدا اور مذہب کے نام پر ان "خدا کے پرستاروں" نے زندہ آگ میں جلوا دیا تھا جبکہ ایسے ایسے دل ہلا دینے والے ظلم، اور ایسی ایسی قابل نفرت بدکاریاں مذہب کی آڑ میں اور خدا کے نام پر ہونے لگیں تو ناممکن تھا کہ عوام کو مذہب کے نام سے انتہائی نفرت نہ ہو جاتی۔ وہی نفرت آج بھی نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہے، اور اب سرزمین مغرب پر مذہب کا وجود صرف نمود اور نمائش کیلئے رہ گیا ہے۔

مغرب کے انسان بھی تمام دنیا کے انسانوں کی طرح اپنی فطرت سے مجبور تھے

کہ مل جل کر رہیں، اور مل جل کر رہنا اس کے بغیر ناممکن تھا کہ کچھ تھوڑے سے قاعدے
اور ضابطے ایسے بنالئے جائیں جن کی پابندی ہر شخص پر فرض ہو۔ اس لئے مذہب
سے قطع تعلق کرنے کے بعد مغرب کے باشندوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ
کار نہ تھا کہ وہ مذہب کے تمام ایسے قانون جنکا تعلق تمدن اور اخلاق سے تھا
لیکر اپنے ملک میں ملکی قانون کے نام سے رائج کرلیں۔ اسی تدبیر پر عمل کیا گیا۔
اور کچھ ایسے جوش کے ساتھ کیا گیا کہ خود مذہب بھی کبھی اپنے قوانین کی پابندی
ایسی سرگرمی کے ساتھ نہ کرا سکا تھا۔ اس طرح ان قوانین کا نام جو خدا کے بنائے ہوئے
اور اس کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے تھے انسانی قوانین ہو گیا۔ حالانکہ فی الاصل
ان اخلاقی اور ملکی قانونوں میں ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جو بنی نوع انسان کیلئے
مفید ہو اور اس کی تعلیم کسی نہ کسی مذہب میں نہ پائی جاتی ہو۔

اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ خدا ہے، اور اگر ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ مادہ کی طرح کوئی
بے شعور اور مجبور چیز نہیں ہے، بلکہ صاحب ارادہ، صاحب طاقت اور ذی شعور
ہستی ہے تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ وہ اپنی بہترین مخلوق یعنی نسل انسانی کو جسے اس نے
عقل اور ارادہ کی قوتیں دی تھیں اسی طرح بے علمی اور جہالت کی حالت میں چھوڑ سکتا تھا
کہ جانوروں کی طرح اپنی زندگی کے دن دنیا میں پورے کرلیا کریں؟ ابتدائے آفرینش
سے برابر وقتاً فوقتاً اس نے ایسی ہستیوں کو اس دنیا میں پیدا کیا جن کے دل
اس کی صداقت اور حقانیت سے معمور ہوتے تھے اور جو اپنی تعلیم کے ذریعہ
سے ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کو سیدھا اور سچا راستہ بتاتے رہتے تھے
اس قسم کی بہت سی تعلیمیں تو انسان کی غفلت شعاری کی بھینٹ چڑھ کر فنا
ہوگئیں۔ اور بہت سی جو اب تک باقی نظر آتی ہیں اُن کا بھی بڑی حد تک صرف
ایک نام ہی نام رہ گیا ہے اور ان میں انسانی تصرفات نے کچھ ایسی عجیب و غریب

تبدیلیاں کردی ہیں کہ اب انہیں قبول کرنے پر آسانی سے دل راغب نہیں ہوتا۔ یہ خیال کہ ان تعلیموں میں یا تہذیبوں میں باہم بہت کچھ فرق اور اختلاف ہے بالکل غلط ہے۔ اس ذات باری کی درگاہ سے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ایک ہی تعلیم بھیجی گئی ہے اور اگر کچھ فرق تھا تو صرف اس قدر کہ انسان کی عقل کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس تعلیم میں بھی کسی قدر ترمیم اور ترقی ہوتی چلی گئی۔ آج جو کچھ اختلافات ہمیں نظر آرہے ہیں یہ سب مذہبی پیشواؤں کے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ انجیل، توریت اور وید سب انسانی تصرفات کا شکار ہو چکے ہیں اور ان میں آج جو تعلیم موجود ہے اس کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بالکل وہی ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اسلام کے متعلق یہ خیال کہ وہ کوئی نیا مذہب ہے بالکل غلط ہے وہ اسی خدائی یا الہامی مذہب کی آخری کڑی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر آج تک چلا آرہا ہے اور اسی طرح روز آخر تک چلتا رہیگا۔ اسلام چونکہ خدا کی طرف سے آیا ہوا آخری مذہب ہے اس لئے اس میں وہ تعلیم جو خدا کی طرف سے بندوں کو ملتی رہتی تھی تکمیل کو پہنچ چکی، اور چونکہ انسانی عقل اب اچھی طرح ترقی کر چکی ہے اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں رہی ہے کہ خدا کی طرف سے آئندہ کوئی معلم مامور کیا جائے۔ ان تمام باتوں کا قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مدنیت کے متعلق جو قواعد اسلام میں ہوں وہ اس قدر جامع اور مانع ہوں کہ آئندہ ان میں ترقی کی کوئی گنجائش نہ ہو اور انسانی عقل کوئی قانون اس مطلب کے لئے ان سے بہتر نہ بنا سکے۔

ایک بہت ہی بڑی غلطی جس میں عوام ہی نہیں، بلکہ خواص بھی اکثر مبتلا ہیں یہ ہے کہ مذہب کو تمدن اور اخلاق سے الگ کوئی چیز تصور کیا جاتا ہے، اور مذہب سے عام طور پر وہ حالت مراد لی جاتی ہے کہ جب انسان اس دنیا سے

قطع تعلق کر کے کسی گوشہ میں یا پہاڑ کے دامن میں جا بیٹھے۔ دنیا اور دنیا کی تمام آلودگیوں کو مذہب کے دامن پر ایک بدنما داغ سمجھا جاتا ہے جسے جس قدر جلد دھو کر صاف کر دیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے واقعہ اور حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ دنیا اور دنیا کی تمام آزمائشوں کے اندر رہ کر ہم جو راستہ اپنی زندگی بسر کرنے کا اختیار کر لیں وہ ہمارا مذہب ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ جب تک ہم زندہ ہیں اس وقت تک ہم بغیر پورے دنیا دار بنے ہوئے ہرگز ہرگز مذہبی آدمی نہیں ہو سکتے۔ مذہب اور تمدن ہرگز دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں اور مذہب کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ہمیں بہتر سے بہتر تمدن سکھا دے اور اچھے سے اچھا شہری بنا دے۔ اگر ہم تن تنہا کسی غار میں جا بیٹھیں اور دنیا اور اہل دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھیں تو مذہب کا اصلی مقصد تو حقیقتاً فوت ہو جائیگا کیونکہ وہ تو ہمیں صرف یہی چیز سکھانے کے لئے آیا ہے کہ گروہ اور جماعت بنکر کس طرح رہا جاتا ہے۔ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ خدا نہ ہماری عبادت کا محتاج ہے، اور نہ ہمارے کفر و انکار سے مخالف۔ لیے اس کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے کہ ہم ہر وقت ہاتھ باندھے اس کے حضور میں استادہ، یا آنکھیں بند کئے اس کے تصور میں غرق بیٹھے رہیں۔ اگر اسے کروڑ در کروڑ آدمیوں سے صرف اپنی تسبیح اور تقدیس ہی کرانی منظور ہوتی تو وہ ہماری بجائے اتنے ہی فرشتے پیدا کر سکتا تھا۔ اس نے تو ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہر وقت اس کی عبادت کریں، اور اس کی عبادت کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں رہ کر جو کام بھی کریں وہ اس کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق ہو۔ اس نے خود ہی فرما دیا ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۝ یعنی جن و انس کو اس کے سوا اور کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے کہ وہ بندگی کریں۔ اس لئے ہمارا ہر کام خدا کی بندگی ہونا چاہیئے۔

اور بندگی کا مطلب صرف یہی ہے کہ آقا اور مالک کے حکم کو ماننا۔ ہمارا کھانا پینا پہننا اوڑھنا۔ سونا لیٹنا غرضکہ ہر کام خدا کی عبادت ہے بشرطیکہ وہ خدا کی مرضی اور حکم کے خلاف نہ ہو۔ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عبادت صرف نماز پڑھنے روزہ رکھنے اور حج کے لئے سفر کرنے کا نام ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ہمیں جس وقت نماز پڑھنے کا حکم ملا ہے اس وقت اُسے ادا کرنا یقیناً عبادت ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو کیا وہ بھی عبادت میں داخل ہوگی؟ ہرگز نہیں کیونکہ ہمیں حکم مل چکا ہے کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی یعنی جب تم مخمور ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ گرمی کے موسم میں بہت سے مسلمانوں کے ساتھ حج کے لئے تشریف لئے جا رہے تھے سب لوگ روزہ سے تھے دوپہر کے قریب جب آپ پڑاؤ یا منزل پر پہنچے تو گرمی کی تکلیف بہت زیادہ تھی آپ نے ایک پیالہ منگوا کر اس میں پانی بھرا اور سب لوگوں کو دکھا کر اس کو پی لیا گویا روزہ توڑ ڈالا۔ بہت سے مسلمانوں نے آپ کی تقلید کی لیکن بعض لوگوں نے روزہ توڑنے کو اچھا نہ سمجھا اور نہ توڑا۔ ان لوگوں کے متعلق جب آپ سے کہا گیا کہ وہ اب بھی روزہ سے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ گنہگار ہیں۔ نماز اور روزہ جیسی چیزیں جنہیں ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ عبادت الٰہی ہیں اگر خدا کی مرضی کے خلاف ادا کی جائیں تو وہ بھی گناہ بن جاتی ہیں لیکن قتل جیسا گناہ کبیرہ بھی اگر خدا کی مرضی اور خدا کے حکم کے مطابق عمل میں لایا جائے یعنی ہم کسی ایسے شخص کی گردن ماردیں جو قتل کا مرتکب ہو چکا ہے تو وہ بھی داخل عبادت اور داخل ثواب ہو جائیگا۔ ان باتوں سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ صرف نماز اور روزہ ہی عبادتیں نہیں ہیں بلکہ مرضی الٰہی

کے مطابق ہماری زندگی کا ہر فعل عبادت میں داخل ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میاں بیوی عشا کی نماز پڑھ کر رات کو ہم بستر ہوں اور صبح کو وقت سے اٹھکر اور غسل سے فارغ ہو کر فجر کی نماز پڑھ لیں تو ان کی تمام رات عبادت الٰہی میں شمار ہوتی ہے۔

اس تمام تحریر سے میرا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ خدا کی طرف سے ہمیں جو کچھ حکم بھی ہیں وہ سب کے سب صرف ہمارے ہی فائدہ کے لئے اور دنیا میں ہماری زندگیوں کو کامیاب بنانے کے لئے ہیں اور ان سب کو ماننا عبادت میں داخل ہے۔ خدا کے جو حکم ہمیں بظاہر ایسے نظر آتے ہیں کہ ان میں گویا بندہ اور خدا کے تعلقات ہیں۔ وہ بھی درحقیقت ہمارے ہی فائدہ کے لئے ہیں اور ان کے ذریعہ سے بھی ہمیں تمدن کے بعض زریں اصولوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ نماز روزہ حج اور زکوٰۃ ان سب کا مقصد بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ہم میں اخوت، باہمی ہمدردی، مساوات، ایثار نفس، اپنے فائدوں پر قوم کے فائدوں کو ترجیح دینا اور اسی قسم کی اور بہت سی صفات حسنہ پیدا ہو جائیں جو تمدن کی جان ہیں اور جن کے بغیر اجتماعی اور قومی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی اسلام میں احکام خداوندی کی حق اللہ اور حق العباد کے ناموں سے دو تقسیمیں کر دی گئی ہیں اور عرف عام میں اقرار توحید و رسالت، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے متعلق تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہم پر اللہ کے حقوق ہیں اور باقی جو کچھ تعلیم ہمیں دی گئی ہے اسے ہم بندوں کے حقوق سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اگر ذرا غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ حقوق اللہ میں بھی صرف اقرار توحید و رسالت تو ایسی چیز ہے جسے صحیح معنوں میں حق اللہ کہا جا سکتا ہے۔ باقی جتنی چیزیں ہیں وہ بھی درحقیقت حق العباد ہی ہیں اور ان سے بھی مقصود یہی ہے

کہ خدا کے بندوں کی خدمت کی جا سکے اور انہیں فائدہ پہنچایا جا سکے۔ میں اس سے پیشتر اپنی کتاب "اسلام اور عبادت" میں بہت تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا مقصد بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ہم ان کے ذریعے سے بہتر انسان بن جائیں۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر لازمی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب کی تمام تعلیم کا خلاصہ صرف دو باتیں ہیں ایک یہ کہ ہم خدا پر اور اس کے پیغمبروں پر سچے دل سے ایمان لے آئیں اور دنیا میں خدا کی حکومت کو تسلیم کر لیں اور دوسری یہ کہ ہم تمدن کے اصول سیکھ کر ایماندار اور اچھے شہری بن جائیں تاکہ دنیا میں ہماری زندگیاں کامیاب ہو سکیں۔ مذہب کی تعلیم کا مقصد نہ کبھی پہلے اس کے سوا کچھ اور تھا، اور نہ اب اس کے سوا کچھ اور ہے کہ وہ ایک طرف تو ہمیں خدائے واحد کا پرستار بنا دے اور دوسری طرف ہمیں ایسے اصول سکھا دے کہ جن پر عمل کر کے ہم اپنی زندگی بھی با اطمینان و آرام گذاریں اور دوسروں کے لئے بھی باعث آزار و تکلیف نہ بنیں اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر ہم اپنے مذہب کے سچے دل سے پابند ہیں اور اس کے تمام احکام کی تعمیل اپنا فرض خیال کرتے ہیں تو ہمیں کسی شہری اور ملکی اور اخلاقی قانون کے جاننے کی اور اسے ماننے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے بشرطیکہ ہم کسی ایسے مذہب کے پیرو ہوں کہ جس کی ہدایات بالکل صحیح اور بالکل مکمل ہوں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کی ہدایات صحیح بھی ہیں اور بالکل مکمل بھی اور اس کتاب کا موضوع یہی ہے کہ اسلام نے ہمیں ایک اچھا دنیا دار یا ایک ایماندار شہری بنانے کے لئے جو احکام صادر کئے ہیں ان کا ذکر کیا جائے اور مختلف متمدن اقوام کے قوانین سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھا جائے کہ آیا وہ تمام مروجہ قوانین سے بہتر ہیں یا نہیں۔ شرم اور ندامت کے ساتھ میں اس سے پہلے بھی اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہوں اور اب بھی کرتا ہوں کہ آج بدقسمتی سے وہ مسلمان بھی کہ جو اپنے آپ کو مذہب کا سچا پیرو

خیال کرتے ہیں۔ اصلی اور حقیقی مذہب سے اور مذہب کے مقصد سے بالکل بیگانہ ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں اخلاقی پستی اس درجہ رونما ہوگئی ہے۔ لیکن اس کے لئے اسلام کسی طرح ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ اسلام تو صرف ان لوگوں کا ذمہ لے سکتا ہے جنہوں نے اسلام کی تعلیمات کو اچھی طرح سمجھا ہے اور ان کی پابندی کر کے خود کو انسان کامل بنانے کی کوشش کی ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو صرف اس لئے مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں کہ وہ کسی مسلمان کے گھر پیدا ہو گئے ہیں اور جنہیں اسلام کی تعلیم سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں ہے انکی غلط روی کی ذمہ داری کسی حالت میں بھی اسلام کے سر عائد نہیں ہو سکتی۔ اس کتاب کے لکھنے کا حقیقی مقصد ہی صرف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے صرف غیر مسلموں کو نہیں بلکہ خود مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ اسلام انہیں کیا چیز بنانا چاہتا ہے اور ایک مسلمان کو دنیا میں کس قسم کی زندگی بسر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مجھے سچے دل سے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ یہ کام مجھ جیسے نااہل کے کرنے کا نہ تھا لیکن بدقسمتی نے قوم کی یہ حالت کر دی ہے کہ "اسپ تازی"، "مجروح پالان" ہو چکے ہیں، اور بدرجہ مجبوری "طوق زریں" "گردن خر" کی زینت بن رہا ہے۔ ہمارے علمائے کرام کا طرز عمل اکثر حالتوں میں یہی ہے کہ وہ خود تو سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں لیکن شاید عامتہ المسلمین کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ انہیں ان قانونوں سے مطلع کر دیا جائے جو اسلام کے خدا نے انکے لئے بنائے ہیں۔ اس لئے اُن کے وعظوں میں عام طور پر یہ غلط تعلیم ہوا کرتی ہے کہ "اچھے دیندار بنو"، حالانکہ اسلام ہمیں "اچھے دنیادار" ہی بنانے کے لئے آیا ہے۔ رات دن یہ سنتے سنتے کہ ہمیں اچھے دیندار بننا چاہیئے لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ "دین"، کوئی علیحدہ چیز ہے جسے "دنیا"، سے کوئی علاقہ نہیں اور یہی وہ مہلک غلطی ہے جس نے ہمیں دین اور دنیا دونوں سے

کھو دیا ہے۔ کوئی شخص بغیر "اچھا دنیادار" بنے ہوئے "اچھا دیندار" بن ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ دین تو اسی رستہ کا نام ہے جو اس دنیا میں رہنے کے لئے ہم اختیار کریں۔ کوئی شخص جو ایماندار شہری نہیں ہے ہرگز ہرگز اچھا اور سچا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اگر ہم عوام کو یہ اصول سکھا دیں کہ "اپنی دنیا کو سنبھال لو تو دین خود ہی سنبھل جائیگا" تو وہ زیادہ صحیح طریق کار ہوگا۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ علمائے کرام جب کسی کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں تو وہ یہی ہوتی ہے کہ "اپنے دین کو سنبھالو تو دنیا خود سنبھل جائے گی" عوام جن کی عقلیں محدود، اور معلومات تنگ ہوتی ہیں صرف زبانی اور جسمانی عبادتوں کو دین سمجھکر ان کے تو پابند ہو جاتے ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ اسلامی تعلیم ہے اور جو حقیقتاً اسلامی تعلیم کی روح ہے اس سے کامل بے پروائی برتنے لگتے ہیں اور اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے جو آج نکلا ہے کہ مسلمان پستی اور ذلت کے عمیق ترین غار میں جا پڑے ہیں اور اب نہ اُن کا دین درست ہے نہ دنیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اَلعِلمُ علمان علم الابدان و علم الادیان یعنی علم دو ہی ہیں ایک بدنوں کا علم اور دوسرا دینوں کا علم۔ لیکن خدا ہی جانے کیوں ہمارے علماء نے عام طور پر یہ یقین کر رکھا ہے کہ علم صرف ایک ہے اور وہ دینوں کا علم ہے اور اب ہر عالم "علم ابدان" کی طرف توجہ کرنا اپنی شان تقدس کے خلاف خیال کرتا ہے۔ اگر یہ خرابی یہیں تک محدود رہتی تب بھی صبر کر لیا جاتا۔ لیکن بدنصیبی تو یہ ہے کہ انہی پیشوایان دین نے علم دین کو بھی صرف چند فقہی مسائل کے علم تک محدود کر دیا ہے اور ان میں اب ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جنہیں اس کا خیال بھی آتا ہو کہ نماز و روزہ، اور حج و زکوٰۃ کے علاوہ اسلام نے تمدن اور تہذیب کے متعلق بھی کچھ حکم ہمیں دیئے ہیں، اور ان چاہ

ارکان اسلام کے بالمقابل کہ جنہیں حقوق اللہ کا نام دیا گیا ہے سینکڑوں احکام حقوق العباد کے متعلق بھی ہمیں ملے ہیں اور نہایت صاف اور واضح الفاظ میں ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ الخ یعنی یہ نیکی نہیں ہے کہ تم پورب کی طرف یا پچھم کی طرف منہ کرکے کھڑے ہو جاؤ بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ تم خدا پر قیامت کے دن پر فرشتوں پر اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اللہ کی محبت میں اپنا مال اپنے رشتہ داروں کو یتیموں کو مسکینوں کو، مسافروں کو اور محتاجوں کو دو، اور لوگوں کی گردنیں غلامی سے آزاد کراؤ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو، اور جب کوئی عہد کرو تو اُسے پورا کرو اور سختی اور تکلیف کے موقعوں پر صبر کرو۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ہی سچے مسلمان ہیں اور وہی پرہیزگار ہیں۔

یہی نہیں بلکہ دوسری جگہ قربانیوں کے ذکر میں خدائے پاک نے فرمایا ہے کہ لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ط یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نہ اُن کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ خون، لیکن اللہ کے پاس تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ ذات باری کے ان ارشادات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اصل چیز ہماری جسمانی اور ظاہری عبادتیں نہیں ہیں بلکہ اصل چیز مخلوق خدا کی خدمت کرنا اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اُن سے پرہیز رکھنا ہے۔

میں کوشش کروں گا کہ دنیا کو درست رکھنے کے لئے اسلام نے جس قدر احکام دیئے ہیں انہیں اس مختصر سی کتاب میں جمع کر دوں تاکہ یہ ضروری احکام ہر معمولی پڑھے لکھے آدمی تک بھی پہنچ سکیں۔ السعی منی والاتمام من اللہ

مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدنیت کی قسمیں

دوسروں کے ساتھ مل جلکر رہنے میں ہمیں اُن لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں اور جنکا تعلق ہمارے اپنے خاندان سے ہے اور ان لوگوں سے بھی جو اگرچہ ہمارے قریب کے عزیز نہ ہوں لیکن ہماری جماعت اور ہمارے گروہ میں داخل ہیں اور اس طرح ہمارے ساتھ رشتہ یگانگت رکھتے ہیں اور ان دونوں طرح کے یگانوں کے علاوہ ہمارے کسی نہ کسی قسم کے تعلقات اُن لوگوں سے بھی رہتے ہیں جو نہ ہمارے خاندان کے افراد ہیں اور نہ ہماری قوم کے بلکہ بالکل بیگانے ہیں ۔ اسلام افراد کا مذہب بھی ہے اور جماعتوں کا بھی اس لئے اس نے ہمیں یگانوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے طریقے بھی بتا دیئے ہیں اور بیگانوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے بھی اسطرح گویا ہم دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کی دو بڑی قسمیں کر سکتے ہیں ایک "یگانوں کے ساتھ ہمارے تعلقات "، اور دوسری "بیگانوں کے ساتھ ہمارے تعلقات" اور پھر یگانوں کے تعلقات کی دو قسمیں اور کی جاسکتی ہیں ایک تو عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ اور دوسری اپنی قوم کے افراد کے ساتھ برتاؤ ۔

آسانی کے لیئے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمدن کے متعلق اسلام نے جو کچھ احکام دیئے ہیں اُنہیں انہی تینوں عنوانوں کے ماتحت بیان کیا جائے ۔

رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ

چونکہ ہمارے ماں باپ کا وجود دنیا میں ہم سے پہلے سے ہوتا ہے اور چونکہ وہی ہمارے اس دنیا میں آنے کا باعث ہوتے ہیں اس لئے نامناسب ہوگا اگر ہم سب سے پہلے ان قوانین کا ذکر کریں جو ماں باپ کے ساتھ برتاؤ کرنے کے متعلق اسلام نے ہمیں بتائے ہیں۔ مغرب کا ایک "ہونہار،، اور "اپ ٹوڈیٹ" فرزند جو فرانس، انگلستان، یا جرمنی کی کسی عظیم الشان یونیورسٹی میں تعلیم پا رہا ہو "تہذیب اور تمدن،، کے تمام اصول جس کے بڑھے ہوئے ناخنوں میں پڑے ہوں، اور شائستگی اور سلیقہ جس کے بوٹ کی ٹھوکروں پر قربان ہوتا ہو، اکثر اپنے "معزز،، اور "قابل تعظیم،، باپ کے لئے جو الفاظ استعمال کرتا ہے وہ "اولڈ فیلو" اور "اولڈ ڈاگ" ہیں۔ جن میں سے اول الذکر کا ترجمہ ہماری زبان میں "بڑھو،، کیا جاسکتا ہے اور دوسرے کے معنی تو "بڈھا کتا،، ہیں ہی۔ "مہذب،، دنیا کے فرزند اگر ماں باپ کے ساتھ کبھی اچھا سلوک کرتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وہ اُن کے والدین ہیں بلکہ صرف اس خیال سے کہ ایک کمزور اور بوڑھے آدمی کی خدمت کرنا کار ثواب ہے۔ وہ اپنے باپ یا ماں کی اگر اپنے روپے سے کبھی مدد کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کہ وہ خیرات کر رہے ہیں اور کسی محتاج کو کچھ دے رہے ہیں۔ مغرب نے ہمیشہ طاقت پرستی کی ہے اسی لئے وہ کسی کمزور کو اس بات کا مستحق نہیں سمجھتے کہ وہ دنیا میں رہے بجز اس صورت کے کہ اس کی گذر خیرات پر ہو۔ یورپ ماں باپ پر تو اولاد کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اسے پالیں، پرورش کریں اور تعلیم و تربیت دلائیں لیکن ماں باپ کا کوئی حق اولاد پر قابل تسلیم نہیں سمجھا جاتا۔ مغربی حکومتیں ایسے قانون نافذ کرتی ہیں اور کر چکی ہیں جن کی رو سے ہر شخص مجبور ہے کہ خواہ خود بھوکا

مرے لیکن بچہ کو پوری اور ضروری غذا ضرور بہم پہنچائے۔ لیکن ایسا کوئی قانون کسی حکومت میں نہیں ہے کہ جس کے مطابق اولاد بھی اس بات پر مجبور ہو کہ اپنے کمزور اور معذور الخدمت والدین کو اچھی اور عمدہ نہ سہی، بالکل معمولی اور روکھی سوکھی ہی پیٹ بھرنے کے لائق غذا مہیا کر دیا کرے۔ مغربی پولیس ایسے تمام ماں باپوں پر مقدمہ چلایا کرتی ہے جن کے بچے بلا کسی ظاہری سبب یا بیماری کے کمزور اور ناتواں نظر آئیں لیکن کسی ایسے بیٹے سے پولیس کوئی باز پرس نہیں کرتی جو خود تو لذیذ سے لذیذ نعمتیں کھاتا اور قیمتی سے قیمتی شرابیں اڑاتا ہو، اور اس کا بوڑھا اور کمزور باپ ڈبل روٹی کے دو سوکھے توسوں کے لئے بھی ترسا کرتا ہو۔

ایسے محتاج اور معذور الخدمت طبقہ انسانی کی مدد کے لئے اسلام اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے اور ببانگ دہل اپنے خدا کے بتائے ہوئے ان قانونوں کا اعلان کرتا ہے کہ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ یعنی اے پیغمبر تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دیدیا ہے کہ لوگو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا اور والدین میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے ہوں بھی نہ کرنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے کچھ کہنا ہو تو ادب کے ساتھ کہنا اور محبت کے ساتھ خاکساری کا پہلو ان کے آگے جھکائے رکھنا اور ان کے حق میں یہ دعا کرتے رہنا کہ اے پروردگار جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا اسی طرح تو بھی ان پر اپنا رحم کریو۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ

اَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ

یعنی ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے حق میں تاکید کی کہ ہر حال میں اُن کا ادب ملحوظ رکھے کیونکہ اس کی ماں نے جھٹکے پر جھٹکے اُٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور پھر کہیں دو برس میں جا کر اس کا دودھ چھوٹتا ہے اس لئے ہم نے انسان کو حکم دیا کہ ہمارا بھی شکر گذار رہے اور اپنے ماں باپ کا بھی۔

کیا دُنیا کے کسی مذہب یا ملک کا قانون ماں باپ کی ایسی عزت افزائی کرتا ہے کہ جہاں شکر گذاری کا ذکر آئے وہاں خدائے پاک اپنے نام کے ساتھ ماں باپ کا بھی نام لے کہ جیسے اس آیت میں لیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اي الاعمال احب الی اللہ قال الصلوٰۃ لوقتها قلت ثم اي قال بر الوالدین قلت ثم اي قال الجهاد في سبیل اللہ (بخاری، مسلم) یعنی میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ خدا کو کون سا عمل بہت پسند ہے آپ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے عرض کیا کہ پھر کونسا عمل؟ فرمایا کہ ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا، میں نے عرض کیا کہ پھر کونسا تو فرمایا کہ خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَوْ اَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ (مسلم، ترمذی) یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ اس شخص کی ناک پر خاک پڑے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کس کی ناک پر؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی ناک پر جس کے والدین یا اُن میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو اور وہ اُن کی یا اس کی خدمت کرکے

اپنے آپ کو جنت کا حقدار نہ بنائے۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد (ترمذی) یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی رضا مندی باپ کی رضامندی میں ہے اور خدا کی ناخوشی باپ کی ناخوشی میں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ سننے کے بعد کہ خدا کی خوشی اور خدا کی ناراضی باپ کی خوشی اور ناراضی میں ہے اب کوئی اور درجہ بزرگی کا باقی نہیں رہتا جو ماں باپ کو دیا جا سکے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ فی الحقیقت اسی قدر تعظیم کے مستحق بھی ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ والدین اپنی اس فطری اور طبعی محبت سے مجبور رہتے جو بچے کے متعلق قدرت نے انہیں دی ہے اس لئے اگر اُنہوں نے بچہ کی پرورش کی خاطر اپنی جان خاک میں ملا دی تو یہ ایثار اور یہ قربانی کسی خاص شکریہ کی مستحق نہیں ہے۔ لیکن بالکل اسی طرح وہ محبت بھی فطری اور طبعی ہی ہوتی ہے جو ایک مرد کو ایک عورت سے یا ایک عورت کو ایک مرد سے ہوتی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ دو فطری محبتوں میں سے ایک کو تو ہم اس قدر اہم اور وقیع خیال کریں کہ یہ معلوم ہونے ہی کہ فلاں عورت کو ہم سے محبت ہے ہم اس کے معاوضہ میں اپنی محبت بھی پیش کر دیں اور اپنی جان بھی۔ لیکن دوسری کو اس قدر ناقابل اعتنا خیال کر لیں کہ اسکا کوئی معاوضہ ادا کرنے کی یا اس کے شکر گزار ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہ سمجھیں۔ دنیا کے جتنے بڑے سے بڑے کام ہیں وہ سب کے سب کسی نہ کسی فطری جذبہ کے ماتحت ہوتے ہیں اور اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ جو جذبے ہماری فطرت میں نہاں

ہیں اُن کے اظہار پر ہم کسی تعریف اور تحسین کے مستحق نہیں ہیں تو دنیا سے نیکی اور اچھائی کی قدر شناسی ہی اٹھ جائے گی، اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکر اگر ہم کسی شخص کی جان بھی بچائیں گے تو کہدیا جائیگا کہ انسانی ہمدردی تو انسان کی فطرت میں داخل ہے پھر اگر کسی شخص نے کسی کی جان بچائی ہے تو اس میں احسان کس بات کا حقیقت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ یہ انتہائی ظلم ہوگا اگر ہم انکی ان خدمات کی سچے دل سے قدر نہ کریں جو اُنہوں نے اس زمانہ میں کی ہیں جبکہ ہم ایک مضغۂ گوشت سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے، اور منہ پر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو اُڑا دینا بھی ہماری قدرت سے باہر تھا۔ فطری محبت سے مجبور ہو کر ماں اپنے بچہ کو سال ڈیڑھ سال تک دودھ پلا دیگی۔ لیکن کیا اتنی سی عمر میں بچہ ماں کی خدمتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے؟ فطری محبت باپ کو دو چار برس تک مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بچے کو روٹی کھلا دیا کرے، لیکن اس بات پر اسے مجبور کرنے والی کونسی طاقت ہے کہ وہ بچہ کی چار سال کی عمر سے لیکر بیس یا بائیس یا پچیس سال کی عمر تک اپنے اوپر ہر قسم کی تکلیفیں گوارا کر کے اعلیٰ طریقہ پر پرورش تعلیم اور تربیت کا انتظام کرتا رہے، اور صرف اسی فکر میں اپنے اوپر ہر قسم کا عیش و آرام حرام کرلے کہ کسی طرح اس کا بیٹا بہتر سے بہتر تعلیم حاصل کر کے ایک بڑا آدمی بنجائے۔ ماں کا دودھ پلا دینا بالکل ناقابل لحاظ سہی اور باپ کے چار چھ برس روٹیاں کھلانے کا مستحق تغافل ہونا تسلیم۔ لیکن کیا آٹھ برس تک ماں جو مسلسل خدمت کیا کرتی ہے اور اتنے عرصۂ دراز تک باپ جو مصیبتیں اپنے اوپر جھیلتا ہے وہ بھی درخور اعتنا نہیں ہیں؟ کیا ان احسانات کا بھی کوئی بدلہ نہ ہونا چاہیئے؟ ہمیں ایک انسان نما گدھے کی بجائے درحقیقت ایک انسان بنا دینا صرف ہمارے ماں باپ ہی کا کام تھا جسے اُنہوں نے اپنے

اور ہزاروں تکلیفیں برداشت کرکے کیا، اور ان کا یہ احسان کسی شریف الطبع شخص کی نظر میں اتنا ہلکا نہیں ہوسکتا کہ اس کے معاوضہ کی کوئی پرواہ ہی نہ کی جائے۔ ہم آج جو کچھ بھی بنے ہیں وہ اپنے ماں باپ ہی کی بدولت بنے ہیں اور اگر ہم ان کا احسان نہ مانیں اور انکی اطاعت اور خدمتگزاری کو اپنے اوپر فرض نہ سمجھیں تو یہ انتہائی کمینہ پن ہوگا۔ آخر سوسائٹی کو اس بات کا کیا حق ہے کہ وہ ہم تو ہمارے بچوں کی پرورش اور تربیت نہایت اچھے طریقہ پر کرالے۔ لیکن جب ہماری معذوری کا زمانہ آئے تو ہمارے بچوں کو آزاد چھوڑدے کہ اُن کا جی چاہے تو ہماری خدمت کریں اور نہ جی چاہے تو نہ کریں۔ اسلام نہیں چاہتا کہ اس کی سوسائٹی میں یہ خامی اور یہ خرابی باقی رہے۔ وہ اس بات کے لئے بھی قانون بناتا ہے کہ بچوں کی نہایت اچھی طرح پرورش کی جائے اور اس بات کے لئے بھی کہ ضعیفی کی عمر میں بوڑھے ماں باپ کو جنہوں نے اپنے خون جگر سے ہماری پرورش کی ہے ہم کس مپرسی کے عالم میں چھوڑدیں اور ان کے احسانات کا بدلہ اپنی خدمتگزاری سے نہ دیں ایسی حالت میں زیادہ مکمل اور زیادہ قرین انصاف کون سے قانون کو کہا جائیگا اسے جو ہمیں "طاقت پرستی" سکھاتا ہے اور صرف ان بچوں کی ہم سے پرورش کراتا ہے جن کی طاقت روبہ ترقی ہے، اور ان بوڑھوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ جنکی قوت اور طاقت سے فائدہ اُٹھایا جاچکا ہے اور جنکی طاقت اب ختم ہوچکی ہے یا اسے جو ہمیں طاقت پرستی کی بجائے صداقت پرستی سکھاتا ہے اور جس حدتک نوخیز اور طاقتور نوجوانوں کی حمایت کرتا ہے اسی حدتک ان ضعیفوں کو بھی پنشنیں دینے کی ہدایت کرتا ہے جنکی طاقت سے قوم مستفید ہوچکی ہے اور جن میں اب کچھ باقی نہیں رہا ہے۔

حقوق زوجین

ماں باپ کے بعد انفرادی زندگی میں ہمارا جو تعلق سب سے زیادہ اہم ہے اور جس پر

ہماری بقائے نسل منحصر ہے وہ میاں بیوی کا تعلق ہے۔ میاں بیوی کے تعلق کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے ہمیں جانوروں کے طرز زندگی پر نظر ڈالنی پڑیگی کیونکہ جانور بے عقل ہونے کی وجہ سے اپنی زندگی بالکل اسی طریقہ پر گذارتے ہیں جو فطرت نے اُنہیں سکھادیا ہے۔ ان فطری زندگیوں کا مطالعہ ہمیں یہ بتادے گا کہ جوڑا مل جانے کے بعد فطرت ہم سے کس قسم کی زندگی بسر کرانا پسند کرتی ہے۔ جن جانوروں کو انسان نے اپنی ضرورتیں رفع کرنے کے لیئے اپنا ہم صحبت بنالیا ہے۔ اُن کے طرز زندگی میں فرق آچکا ہے۔ اس لئے ایسے جانوروں کی زندگی سے ہم سند نہیں لے سکتے۔ صحیح فطری زندگی ہمیں صرف انہی جانوروں میں دیکھنے کو مل سکتی ہے۔ جو جنگلوں میں آباد ہیں اور جنہیں انسانی تربیت نے ابھی تک بدراہ نہیں کیا ہے۔ ان جانوروں میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ایک نر اور ایک مادہ آپس میں مانوس ہو جاتے ہیں اور انکا جوڑا مل جاتا ہے۔ جوڑا مل جانے کے بعد یہ دونوں ایک جگہ رہنا بسنا شروع کر دیتے ہیں، اور نر ہمیشہ ضرورت کے وقت اپنی مادہ کی حفاظت اپنے خون کے آخری قطرہ تک کیا کرتا ہے۔ مادہ بھی اس چیز کو محسوس کرتی ہے اور سایہ کی طرح اپنے نر کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ اُن کے باہمی تعلق سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس کے پالنے میں اگرچہ نر بھی کسی قدر حصہ لیتا ہے۔ لیکن اس کا بیشتر بار مادہ ہی پر پڑتا ہے۔ روزی کی تلاش میں نر اور مادہ دونوں ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں اور اکثر تو یہی ہوتا ہے کہ دونوں اپنی اپنی محنت و کوشش کے نتیجہ کو غذا کے طور پر کام میں لاتے ہیں۔ لیکن نر کی فیاضی بعض موقعوں پر مادہ کو تلاش معاش سے بے نیاز بھی کر دیا کرتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو اپنے لیئے کچھ ایسا لازم و ملزوم سمجھنے لگتے ہیں

کہ معلوم ہوتا ہے گویا وہ دونوں جسموں کو ملا کر ایک وجود خیال کرتے ہیں جوڑا مل جانے کے بعد ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانے کا یا آپس میں لڑنے جھگڑنے کا انہیں کبھی خیال ہی نہیں آتا اور شاذونادر اگر کبھی ان میں کچھ جھگڑا ہوتا بھی ہے تو صرف اس وقت کہ جب بھوک کے غلبہ سے تنگ آ کر باپ اپنے بچوں کو کھا لینے یا کم از کم جھنجلاہٹ کے عالم میں انہیں مارنے کا ارادہ کرے۔ خاوند کی پھری ہوئی نگاہیں دیکھ کر ماں بھی اپنی پوری طاقت سے بچوں کی حفاظت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اور بپھرے ہوئے تیور دکھا کر خاوند کو اچھی طرح بتا دیتی ہے کہ اگر بچوں کی طرف رخ کیا تو خیر نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ اکثر تو یہی نکلتا ہے کہ بھوکا نر پھر رزق کی تلاش میں کسی طرف کو نکل جاتا ہے اور تھوڑی بہت غذا میسر آتے ہی تمام گزشتہ باتوں کو بھول جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ میاں بیوی میں آپس میں دو دو ہاتھ ہونے کی بھی نوبت آ جاتی ہے۔ بہرحال ان جانوروں کی زندگی کا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ فطرت کی خواہش یہ ہے کہ ایک نر اور ایک مادہ سے مل کر اس جنس کے ایک حیوان کی زندگی مکمل ہو جائے اور یہ دونوں آپس میں مل کر کچھ اس طرح ایک ہو جائیں کہ الگ الگ دو جسم ہونے کے سوائے باقی اور کوئی فرق اور امتیاز دونوں کے درمیان میں نہ رہے، نر مادہ کو اپنے جسم کا ایک حصہ خیال کرے اور مادہ نر کو۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ فطرت ہم سے کس قسم کی زندگی بسر کرانی چاہتی ہے۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ نر و مادہ کی الگ الگ دو صفتیں پیدا کرنے سے فطرت کا کیا منشا ہے۔ جس خدا نے یہ انتظام کیا ہے کہ نر اور مادہ الگ الگ ہوں اور ان کے باہمی اتصال سے بقائے نسل کی صورت نکلا

کرے وہ یہی کر سکتا تھا کہ تنہا نر یا تنہا مادہ ہی کے جسم میں ایک خانہ اس غرض کے لیے مخصوص ہوتا کہ وہاں آکسیجن اور نائیٹروجن اور سلفیٹ اور فاسفیٹ سب جمع ہوتے رہیں اور اُن کے باہمی کیمیاوی امتزاج سے جراثیم کی طرح کے کچھ کیڑے بنجایا کریں جو بعد میں نشوونما حاصل کرکے کسی جانور، یا کسی انسان کی شکل اختیار کرلیں۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ ایک نر اور ایک مادہ کو ساتھ رکھنے میں منشا ایزدی یہی ہو کہ دونوں ایک دوسرے کے بہرحال ممد اور معاون رہیں، اور ایک کو دوسرے سے تقویت اور تسکین رہے۔ کلام مجید میں بھی نکاح کا جو مقصد بتایا گیا ہو وہ بھی یہی ہو کہ اِنَّ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً۔

یعنی اس نے تمہارے لیئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تمہیں ان سے سکینت و راحت ملے اور تم دونوں میں اخلاص اور پیار پیدا کیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا مقصد یہ بتایا ہو کہ مَنِ اسْتَطَاعَ الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج۔

یعنی تم میں سے جو شخص استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے۔ کیونکہ نکاح نگاہوں کو جھکا دینے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نکاح کا مقصد یہ ہے کہ دو انسان یا حیوان آپس میں ایک دوسرے کے سچے رفیق اور ہمدرد بنجائیں اور بقائے نسل کی خدمت انجام دیں، اور فطرت ہم سے اس بات کی طالب ہو کہ جوڑا ملجانے یا نکاح ہو جانے کے بعد ہم آپس میں اسقدر شیر و شکر ہو جائیں کہ من و تو کا خیال تک نہ آئے۔ ازدواجی نقطۂ نگاہ سے کامیاب ترین زندگی وہ ہوگی جو مرد اور عورت میں زیادہ سے زیادہ یگانگت

پیدا کرے، اور تمدن کے وہی قوانین سب سے زیادہ قابل قبول سمجھے جائیں گے جن کی بدولت یہ مقصد حاصل ہو سکے۔ چونکہ میں اس موضوع پر ایک علیٰحدہ کتاب "اسلام اور عورت" لکھ چکا ہوں، اس لئے یہاں زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا تاہم یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کے سوا دنیا کے تقریباً تمام مشہور مذہبوں نے نر یعنی مرد کی ہستی کو تو تسلیم کیا ہے اور اسے ہر قسم کی رعائتیں دی ہیں۔ لیکن غریب عورت سب کی نگاہوں میں مردود اور قابل نفرت چیز قرار پائی ہے۔ کسی جنس کی دو صنفوں میں سے ایک کو پست اور ذلیل بنا دینے کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ ہم ان دونوں صنفوں میں باہم یگانگت اور یکجہتی پیدا کرنے کی بجائے بیگانگی اور منافرت پیدا کریں اور یہ بات منشاء فطرت کے خلاف ہے۔ دوسرے مذہبوں میں عورت کا نام "شیطان کی بیٹی"، "شیطان کی آلۂ کار" اور "سانپ بچھو سے زیادہ زہریلی چیز" وغیرہ ہے، اور جہانتک میرا خیال ہے ان میں سے ایک خطاب بھی ایسا نہیں ہے جو عورت کو مرد کی نگاہوں میں معزز اور محبوب بنا سکے۔ مغرب کے موجودہ طرز تمدن نے بھی جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے عورت کا مرتبہ سوسائٹی میں بہت بلند کر دیا ہے فی الحقیقت عورت کے ساتھ کچھ زیادہ انصاف نہیں کیا ہے۔ اس نے عورت کو ایک اچھی عورت بنانے کی بجائے ایک ناکمل مرد بنانے کی کوشش کی ہے۔ جس کی وجہ سے مغربی عورت اب تو مرد ہی بن سکی کہ صبر آ جاتا اور نہ وہ عورت ہی باقی رہی کہ جو فی الحقیقت اسے ہونا چاہیئے تھا۔ جہانتک ان باتوں کا تعلق ہے کہ جن کے ذریعے سے وہ مردوں کی تفریح کا ذریعہ بن سکے وہاں تک تو اسے بہت کافی آزادی بھی دیدی گئی اور اس ذلیل کام

میں اس کی ہمت افزائی بھی کی گئی ہے۔ لیکن جہاں کہیں عورت کے اپنے مفاد کا سوال ہے وہاں اس کے کسی حق کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے، اور فطرت نے جو کام اس سے متعلق کئے تھے اور جن کی بدولت دنیائے انسانی میں اس کی ایک مستقل و اہم حیثیت تھی وہ سب اس سے لے لئے گئے ہیں تاکہ وہ ایک بالکل بیکار اور غیر ذمہ دار وجود رہ جائے جس کی زندگی مرد کے رحم و کرم پر منحصر ہو۔ مغرب کی عورتوں نے مردوں کی اس زیادتی کو محسوس کرلیا ہے اور اب مردوں سے متنفر ہو کر اُنہوں نے مردوں کے خلاف جنگ شروع کردی ہے اور مرد اور عورت کی یہ باہمی جنگ کسی طرح بھی منشائے فطرت کے مطابق نہیں ہوسکتی۔ فطرت نے جو دنیا کا اہم ترین کام یعنی بچوں کی پرورش اور تربیت عورت کے سپرد کیا تھا اس سے بھی اب عورت صرف اسی لیئے دست کش ہوتی جارہی ہے کہ اسے مرد سے نفرت ہوگئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلنے والا ہے کہ فطرت کا مقصد اصلی یعنی بقائے نسل بھی فوت ہو جائے۔

پوڈر لگے ہوئے چہرے گلابی رنگے ہوئے رخسار، سرخ پتے ہوئے ہونٹ ننگے ننگے بازو، کھلا ہوا سینہ، رانوں تک عریاں ٹانگیں، اور طرح طرح سے جسم کی دلکشی کو نمایاں کرنے والی پوشاکیں بظاہر بہت کچھ نظر فریب معلوم ہوتی ہیں اور بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں کو کامل آزادی حاصل ہے اور یہ اپنے مردوں پر گویا حکومت کر رہی ہیں۔ لیکن اس خوشنما تصویر کا تاریک رُخ حد سے زیادہ تاریک ہے اور ان غریبوں کی آزادی اور مردوں پر حکمرانی بس انہی چیزوں تک محدود ہے کہ جن سے خود مرد کو دلچسپی ہے اور جو اس کے اپنے لئے "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" ہیں، ورنہ جہاں عورت کے اقتصادی حقوق کا سوال آتا ہے وہاں تو اس غریب کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ خاوند کے مرنے کے بعد اس کی

جائداد میں سے اپنے گذارہ ہی کے لائق کچھ لے سکے۔ دو فریقوں میں حقیقی اتحاد اس وقت تک کبھی پیدا ہی نہیں ہوسکتا کہ جب تک دونوں میں سے ہر ایک کی یہ خواہش اور کوشش ہو کہ دوسرے کو خواہ کچھ ملے یا نہ ملے لیکن میں اپنے لئے سب کچھ لے لوں"، اور میرے اس دعوے کا بہترین ثبوت ہماری "ہندو مسلم اتحاد کی سعی ناکام" ہے اتحاد یگانگت، اور اتفاق صرف اسی وقت پیدا ہوتا ہے اور قائم رہتا ہے کہ جب دونوں فریق اپنے لئے کچھ لینے کی بجائے دوسروں کو کچھ دینے پر آمادہ ہوں۔ لیکن خود پرست مغرب نے یہ سبق کبھی سیکھا ہی نہیں۔ اسلام نہایت ہی صاف اور واضح الفاظ میں پکار کر کہتا ہے کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ یعنی عورت اور مرد کی حیثیت ایک دوسرے کے لئے بالکل مساوی اور برابر ہے وہ مردوں کے لئے زینت ہیں اور مرد اُن کے لئے زینت ہیں۔ سوسائٹی میں عورت کی حیثیت اس طرح قائم کرکے اسلام عورتوں کی مالی حالت مضبوط کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تاکہ اقتصادی کمزوری انہیں مردوں کا غلام نہ بنادے۔ وہ عورت کو شادی کے وقت مہر کی ایک معقول رقم دلواتا ہے اور پھر اسے باپ سے بھائی سے خاوند سے اور بیٹے سے غرضکہ ہر رشتہ دار سے ترکہ دلواتا ہے اسلام ایک طرف تو مردوں کو حکم دیتا ہے کہ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو اور دوسری طرف عورتوں کو یہ سنا دیتا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ۔ یعنی مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں اور اس طرح دونوں کے حقوق ایک دوسرے پر قائم کردیتا ہے مردوں کو نہایت سختی اور تاکید کے ساتھ یہ حکم ملا ہے کہ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۔

یعنی تم پر جو عورتیں (ماں بہن بیٹیاں وغیرہ) حرام کردی گئی ہیں ان کے علاوہ اور سب عورتیں تم پر حلال ہیں بشرطیکہ مستی نکالنے کیلئے نہیں بلکہ نکاح کی قید میں لانے کے لئے تم مہر کے بدلے میں ان سے شادی کرنا چاہو۔ اور اس طرح مردوں کو گویا متنبہ کردیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو کوئی ذلیل اور حقیر چیز سمجھکر اُن کی عصمت اور عفت کی جانب سے بے پروائی نہ برتیں۔ عورتوں کو بتایا گیا ہے کہ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط یعنی جو نیک بیویاں ہیں وہ مردوں کا کہا مانتی ہیں اور خدا کی عنایت سے اُن کے پیٹھ پیچھے ہر ایک چیز کی حفاظت رکھتی ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مردوں سے تو یہ فرماتے ہیں کہ نماز اور خوشبو کی طرح عورت کی محبت بھی میرے دل میں پیدا کی گئی ہے۔ گویا عورت اس دنیائے انسانی کا ایسا اہم جزو ہے کہ وہ خدا کے رسول کو محبوب ہے۔ اور عورتوں سے آپ کا ارشاد یہ ہوتا ہے کہ اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ عورتوں کا مرتبہ بلند اور اس کی عزت دوچند کرنے کے لئے حضورؐ انور مردوں سے وعدہ فرماتے ہیں کہ من عال ثلث بنات او ثلاث اخوات او اختین او ابنتین فادبھن و احسن الیھن و زوجھن فلہ الجنۃ (ترمذی) یعنی جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بہنوں یا دو بیٹیوں کی پرورش کی اور انہیں پڑھایا لکھایا یا سلیقہ سکھایا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور پھر اُنکی شادی کردی وہ جنتی ہوگیا۔ اور مرد کو عورت کی نگاہوں میں معزز اور محبوب بنانے کے لئے آپ عورتوں سے یہ فرماتے ہیں۔ عن ام سلمۃ تقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ ماتت و زوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ۔

یعنی حضرت اُم سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جو عورت اس حالت میں مری کہ اس کا خاوند اس سے خوش تھا تو وہ ضرور جنت میں جائے گی۔

مردوں اور عورتوں دونوں کو اللہ تعالی نے بھی بتا دیا ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ہے ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر ہے۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرما دیا ہے کہ بیشک تمہارا حق عورتوں پر ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے تمہارا حق تو عورتوں پر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو گھروں میں آنے اور تمہارے فرش پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیں۔ جن کا آنا اور عورتوں سے باتیں کرنا تمہیں ناگوار گذرتا ہے اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔ جناب رسالت مآب کی درگاہ سے مردوں کو تو یہ ہدایت ہوئی ہے کہ خیرکم خیرکم لاھلہ یعنی تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بھلا ہوا اور عورتوں کو یہ پیغام سنایا گیا ہے کہ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای النساء خیر قال التی تسرہ اذا نظر و تطیعہ اذا امر و لا تخالفہ فی نفسہا و لا فی مالہا بما یکرہ (نسائی)

یعنی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ سب سے اچھی عورت کونسی ہے فرمایا وہ کہ جب مرد اس کو دیکھے تو اسے خوش اور مسرور کر دے اور مرد حکم دے تو اس کا حکم بجا لائے اور اپنی جان اور مال میں کسی ایسی بات میں اس کی مخالفت نہ کیا کرے جو اُسے ناگوار ہو۔

دنیا میں عورت ہمیشہ نقص امن کی باعث رہی ہے اور تاریخ میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ صرف کسی ایک حسین عورت کی خاطر دو سلطنتوں میں باہم

جنگ ہو گئی ہے اور ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کی جانیں تلف ہوئی ہیں بڑے بڑے عقلمندوں نے جن تین چیزوں کو دنیا میں جنگ و فساد کا باعث بتایا ہے وہ زر، زمین اور زن ہیں۔ گویا ان میں سے ایک سبب عورت بھی ہے۔ اسلام نے اسی وجہ سے اپنے پیروؤں کو انتہائی سختی کے ساتھ فحش اور زنا سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ اسلام کی دوررس نگاہوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح بھانپ لیا کہ تنہائی میں غیر مرد اور غیر عورت کی یکجائی اکثر ناخوشگوار نتائج کا باعث ہوتی ہے۔ اس نے اس چیز کو بھی محسوس کر لیا کہ غیر مردوں اور غیر عورتوں کا آپس میں ضرورت سے زیادہ خلا ملا بھی ان خواہشوں میں تحریک پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے جو قدرت نے بقائے نسل کی خاطر ہر حیوان کو عطا کی ہیں۔ اس لیے اس نے تنہائی میں غیر مرد اور غیر عورت کی یکجائی کو بھی منع کر دیا، اور مردوں اور عورتوں کو یہ حکم بھی دیدیا کہ راستہ میں جب چلا کریں تو ادھر ادھر تاکتے جھانکتے نہ چلا کریں۔ بلکہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ عورتوں کو یہ حکم بھی دیدیا کہ اپنا وقت زیادہ تر اپنے گھروں میں گذارا کریں اور اپنا بناؤ سنگار دکھاتی دنیا بھر میں نہ پھرا کریں۔

اسلام پر اکثر مخالفین کا یہ اعتراض ہوا کرتا ہے کہ ایک مرد کو چار تک نکاح کرنے کی اجازت دے کر اسلام نے مسلمانوں کو ہوس پرستی کی تعلیم دی ہے اور اس کے بالمقابل بعض قومیں اپنے اس ملکی قانون کو پیش کرتی ہیں جس کی رو سے ایک مرد ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتا۔ بظاہر مغربی قانون بہت ہی شاندار نظر آتا ہے اور جہاں تک صرف الفاظ کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہت ہی اچھا اور خوش آئند ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہم لفظوں کی دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے ہیں بلکہ عملی دنیا میں رہنا سہنا ہماری

زندگی کا مقصد ہے اور ایسا کوئی قانون جس کے صرف الفاظ ہی خوشنما اور شاندار ہوں اور جس کی پابندی ہر سو آدمیوں میں سے ننانوے نہ کرتے ہوں کسی تعریف کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اسلام یہ نہیں پسند کرتا کہ کسی مجبوری کی حالت میں بھی آدمی کو اس کا قانون توڑنا پڑے اور اسی لئے اس نے ایسی مخصوص حالتوں کے لئے کہ جب انسان اپنی فطری خواہشوں سے مجبور ہو سکتا ہو بعض رعائتیں روا رکھی ہیں اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ناجائز طریقے پر سینکڑوں شادیاں کرنے سے یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ انسان اگر مجبور ہو تو جائز طور پر چار تک شادیاں کرلے۔ شہوانی خواہش اور بھوک وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ جو فطرت نے خود ہی انسان کو دی ہیں اس لئے اگر کوئی شخص فطرتاً اور طبعاً یہ خواہشیں معمول سے زیادہ اپنے ساتھ لایا ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے۔ اور اگر مذہب اسے کوئی رعایت نہیں دیتا تو وہ قانون شکنی کے سوا اور کیا کر سکتا ہے صرف ایسی حالتوں میں قانون کو ٹوٹنے سے بچانے کی خاطر اور انسان کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنے کی غرض سے مذہب حکم نہیں بلکہ صرف اجازت دیتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرلو۔ اور اسی طرح سور کا گوشت اور مردار اور خون کو خوراک کے لئے حرام قرار دیکر بھوک کے معاملہ میں بھی یہ رعایت روا رکھتا ہے کہ اگر اضطرار کی حالت میں یہ چیزیں کھا لی جائیں اور نیت خدا کی نافرمانی کرنے کی نہ ہو تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ

.... یعنی خدا نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے حرام کیا ہے۔ پھر بھی

جو کوئی بیقرار ہو جائے۔ لیکن نافرمانی اور سرکشی نہ کرتا ہو اور حد سے آگے نہ بڑھے تو اس پر ان چیزوں کے کھا لینے میں بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔

نفسانی خواہش اور بھوک دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ جو قدرت نے انسان کے سر لگائی ہیں اور اگر ان کے متعلق مخصوص حالتوں میں کچھ رعایت نہ ہوتی تو خدا کے انصاف پر الزام آتا تھا۔ اسی لئے اتنی ذرا سی رعایت دیکر اس نے اپنے قانون کو حرف گیری سے بھی محفوظ کر دیا اور کسی کے پاس قانون شکنی کے لیئے کوئی جائز یا معقول عذر بھی نہ رہا۔ ایسا قانون جسے اکمل ہونے کا دعوٰی ہو اس میں یقیناً اس قدر رعایت ضروری تھی۔ تعدد ازدواج کے متعلق میری کتاب "اسلام اور عورت" میں بہت تفصیل کے ساتھ بحث کی جا چکی ہے، اور میرا خیال ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد کوئی صاحب انصاف اسلام کی اس اجازت کی تعریف کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان تمام احکام کو ملحوظ رکھکر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اپنے پیرؤوں کو اس خطرناک حالت سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے جو مرد اور عورت کے تعلق کے متعلق مغرب میں پیدا ہو گئی ہے اور جس کا نتیجہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں یہ نکلنے والا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں باقاعدہ جنگ چھڑ جائے۔ عورتیں مردوں سے متنفر ہو کر اپنے غصب شدہ حقوق مانگیں، اور مردوں نے جو اب تک انہیں طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اپنا غلام بنا رکھا ہے اس کا تمام راز آشکارا ہو جائے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ عزیز رکھے، اور عورت اپنے خاوند کو خوش رکھنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے۔ مرد عورت پر ہزار جان سے فریفتہ ہو، اور عورت مرد کی دل سے شیفتہ اور اس طرح دونوں

ملکر اس مقصدِ عالی کے حصول کی کوشش کریں۔ جس کا نام تکمیلِ انسانیت ہے۔

اولاد کے ساتھ برتاؤ

زن و شوہر کی یکجائی اور باہمی الفت و موانست کا نتیجہ اولاد ہوتی ہے جو بدقسمتی سے دورِ حاضرہ کی "مرد نما" عورت کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، اور جس کی پیدائش اور افزائش روکنے کے لئے آج مغرب کے بڑے بڑے ڈاکٹر ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہے ہیں۔ برتھ کنٹرول کے نام سے بیسیوں تدبیریں اختراع اور اختیار کی جا رہی ہیں کہ بچے نہ ہونے پائیں اور ان کے پالنے اور تربیت دینے کی مصیبت نہ برداشت کرنی پڑے۔ جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ جنہیں انصافاً قتلِ اولاد کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اپنی تہذیب اور اپنے تمدن پر ناز کرنے والی قومیں انسانی نسل ہی کو منقطع کرنے کے درپے ہو چکی ہیں اور اسی کا نام بہتر تمدن رکھا گیا ہے۔ مجھے اس کے ماننے میں تامل نہیں ہے کہ یہ بزعمِ خود "تہذیب یافتہ" قومیں افزائشِ نسل کو روکنے کے لئے جو جد و جہد کر رہی ہیں اس کے لئے انہوں نے بعض معقول عذر بھی تلاش ضرور کر لئے ہیں۔ لیکن ان معقول عذرات کی معقولیت بھی بالکل سطحی ہے۔ اور اگر ذرا سی دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو وہ سب معقول عذر بالکل غیر معقول اور لنگ ثابت ہو جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہماری خواہش اور کوشش یہ ہے کہ بہت سی بدصورت بد دماغ، کمزور اور پست اخلاق اولاد پیدا کرنے کی بجائے ہم صرف معدودے چند بچے پیدا کریں۔ لیکن وہ سب کے سب نہایت حسین نہایت عقلمند

نہایت قوی اور نہایت اعلیٰ اخلاق رکھنے والے ہوں جب تک نگاہ صرف ان خوبصورت اور خوشنما الفاظ پر رہتی ہو اس وقت تک تو یقیناً "مہذب قوموں" کی یہ کوشش بہت ہی قابل تحسین معلوم ہوتی ہو۔ لیکن جب اس کے عملی پہلو پر نگاہ جاتی ہو تو معلوم ہوتا ہو کہ یہ آرزو بالکل ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص فضا میں معلق مکان بنانے کی کوشش میں منہمک ہو۔ دنیا میں ہزاروں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ حسین سے حسین ماں باپ کی اولاد نہایت ہی کریہ منظر اور بدصورت ہو، اور کوئی "برتھ کنٹرول" کا بڑے سے بڑا حامی بھی نہیں بتا سکتا کہ اس کا سبب کیا ہو۔ ایک کیمیاگر جانتا ہے کہ بعض اوقات ایسے دو رنگوں کو آپس میں ملانے سے کہ جن میں سے ہر ایک الگ الگ بہت ہی دلفریب اور خوشنما تھا، ایک نہایت ہی بھدا اور ناپسندیدہ رنگ بنجاتا ہو۔ بالکل اسی طرح دو نہایت ہی حسین صورتوں کا باہمی امتزاج بسا اوقات جو تیسری صورت پیدا کرتا ہو وہ بہت ہی بری اور مہیب ہوتی ہو اور باایں ہمہ علم وفضل آج تک انسان اس راز کو معلوم نہیں کر سکا ہو کہ بعض اچھی صورتوں میں وہ کیا خصوصیات ہوتی ہیں کہ جو باہم ملکر ایسی بری شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ بدصورت انسانوں کو شادی ہی نہ کرنے دیں یا اگر وہ شادی کر لیں تو دوسرے ذرائع سے انکی اولاد نہ پیدا ہونے دیں لیکن کون کہہ سکتا ہو کہ ان میں سے بعض کم رو صورتوں کا باہمی امتزاج ایک نہایت ہی دل فریب شکل نہ پیدا کر دیتا۔ یا یہ کہ جن حسین مردوں اور عورتوں کو ہم نے شادی کا پروانہ دیا ہو۔ ان کے متعلق کون اس بات کا ذمہ لے سکتا ہے کہ ان کی اولاد ضرور ہی

حسین پیدا ہوگی۔ اولاد کے صحیح القویٰ اور تندرست پیدا ہونے کے متعلق بھی اسی طرح یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اچھے خاصے پہلتن ماں باپ کی اولاد بھی بسا اوقات بالکل نحیف اور کمزور ہو سکتی ہے۔ بالکل اسی طرح ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں ہے کہ جس سے ہم پیدا ہونے والے بچے کو مجبور کر سکیں کہ وہ نہایت صحیح اور اچھا دماغ لیکر پیدا ہو۔ برتھ کنٹرول کے حامی ایسی کوششیں ضرور کرتے ہیں اور ہمیں بہت سی تدبیریں بھی بتاتے ہیں لیکن جبکہ ان میں سے ایک تدبیر بھی یقینی نہیں ہے تو ہمیں کیا حق ہے کہ ہم بہت سے بچوں کو دنیا میں آنے سے روک دیں اور بلا کسی ثبوت کے خواہ مخواہ بھی یہ فرض کرلیں کہ اگر وہ پیدا ہوتے تو ضرور بدصورت، کمزور یا مخبوط الحواس ہوتے۔

اس کے علاوہ آج تک نہ کسی سوسائٹی کے قانون نے اس کی اجازت دی ہے اور نہ کسی مذہب نے اس کو روا رکھا ہے کہ جو لوگ بدشکل کمزور۔ دائم المرض۔ نیم مجنون یا بد اخلاق ہوں انہیں سب کو قتل کر دیا جائے۔ پھر یہ کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے کہ کسی انسانی تخم کو جو فی الحقیقت ایک انسان ہی ہے ہم محض اس شبہ پر برباد اور تباہ کر دیں کہ وہ ایک اچھا انسان نہیں بنتا اور کیا تخم انسانی کی ہلاکت فی الحقیقت "قتل انسان" سے علیحدہ کوئی چیز ہے؟ کیا اگر ہم ایک انڈے کو توڑ کر ضائع کر دیں تو اس کے بالکل صحیح معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم نے ایک مرغ کی جان لی۔ درحالیکہ ہم کسی طرح وثوق کے ساتھ یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ اس انڈے سے سفید بچہ پیدا ہوگا یا کالا؟ اور کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ "برتھ کنٹرول" درحقیقت "قتل اولاد" کا انگریزی ترجمہ ہے؟ پھر اگر ہم تھوڑی

دیر کے لئے یہی فرض کرلیں کہ ہم بعض ایسی ترکیبوں سے واقف ہیں جن کے ذریعہ سے ہمارے حسب مرضی حسین، تندرست اور عالی دماغ ہی اولاد پیدا ہوگی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر بچوں کی پیدائش کم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب ہم اپنے حسب مرضی بچے پیدا کرسکتے ہیں تو ایسے حسین ایسے تندرست اور ایسے عالی دماغ بچے تعداد میں جتنے زیادہ پیدا ہوسکیں اتنا ہی اچھا ہے۔

برتھ کنٹرول کے حامیوں کی جانب سے ایک عذر یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اگر اولاد زیادہ تعداد میں پیدا ہوگئی تو ہمیں اس کے لئے رزق اور معقول تعلیم و تربیت مہیا کرنے میں دشواری لاحق ہوگی اور ہم اسے "اچھے انسان" نہ بنا سکیں گے۔ یہ عذر بھی ایک "عذر لنگ" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کسی انسان کے تمام بچے ایک یا دو برس کے اندر پیدا نہیں ہو جاتے ہیں بلکہ اکثر دو بچوں کی عمروں میں دو ڈھائی برس کا فرق ہوتا ہے اس طرح ماں باپ کو برابر موقعہ ملتا رہتا ہے کہ وہ اپنی آمدنی زیادہ کرتے رہیں۔ ملازمت ہو یا تجارت دونوں ذریعوں سے انسان کی آمدنی برابر آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے، اور اس طرح ہر نئے پیدا ہونے والے بچہ کے موقعہ پر ماں باپ کی آمدنی پچھلے بچہ کے موقعہ کی بہ نسبت کسی نہ کسی حد تک اکثر زیادہ ہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ پہلا بچہ بالعموم پانچویں یا چھٹے بچہ کی پیدائش کے قریب قریب زمانہ میں بالغ ہو چکا ہوتا ہے اور اگر وہ لڑکی تھی تو شادی ہو جانے کی وجہ سے اس کا خرچ ماں باپ پر نہیں رہتا اور اگر لڑکا تھا تو یا تو کچھ کمانے کے قابل ہو جاتا ہے یا عنقریب اس کے کمانے کے لائق ہو جانے کی امید ہوتی ہے گویا کم از کم اس کی تعلیم و تربیت کے اخراجات سے ماں باپ کو چھٹکارا

مل جاتا ہے اور جو کچھ اس کی تعلیم پر خرچ ہوتا تھا وہ اس کے چھوٹے بھائی یا بہن کے کام آسکتا ہے۔

موروثی امراض یعنی ایسی بیماریاں جو ماں باپ سے اولاد میں منتقل ہو جاتی ہیں برتھ کنٹرول کے حامیوں کا ایک بہت ہی بڑا اور حقیقتاً معقول عذر ہے۔ لیکن ایسی مثالیں شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں لڑکا یا لڑکی کسی ایسے سخت مرض میں مبتلا ہو اور اس کی شادی ہو جائے۔ ان غریبوں کو دوائیں پینے اور پرہیزی غذائیں کھانے سے اتنی فرصت ہی میسر نہیں آتی کہ شادی بیاہ کا خیال بھی کر سکیں ایسے لڑکے اور ایسی لڑکیاں کہ جن میں پوشیدہ طور پر مرض موجود ہے اور بظاہر اُس کی علامات کچھ معلوم نہیں ہوتیں ان کا انتظام برتھ کنٹرول کے حامی بھی کچھ نہیں کر سکتے، اور ان کی شادیاں بہر صورت ہو کر رہیں گی۔ شادی کے بعد جو ماں باپ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ غریب بھی اپنی بیماری سے اتنی فرصت اور اپنی تکلیف سے اتنی مہلت نہیں پاتے کہ افزائش نسل کی طرف متوجہ ہو سکیں اور ان تمام باتوں کے علاوہ موروثی امراض کے متعلق بھی کوئی ڈاکٹر یقین کے ساتھ پیشین گوئی نہیں کر سکتا کہ وہ ضرور ہی اولاد میں منتقل ہو جائیں گے۔ آج دنیا میں ہزاروں بچے ایسے موجود ہیں جن کے ماں باپ بدترین قسم کے موروثی امراض میں مبتلا تھے لیکن وہ مرض ان میں منتقل نہ ہوا اور وہ بالکل تندرست ہیں۔ ایسی حالت میں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محض شک اور شبہ کی بنا پر یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ہم ایک انسانی جان کو ضائع کر دیں؟ قانون، عقل، اور مذہب تینوں کا فتویٰ یہی ہوگا کہ ایک انسان کی جان کی قیمت اس سے بہت زیادہ ہے کہ اسے محض شکوک و شبہات کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ "برتھ کنٹرول" اولاد کشی کا ایک خوبصورت اور خوشنما نام ہے، اور اس کے حامیوں میں

اکثر تعداد انہی لوگوں کی ہے جنہیں اپنے لطف و عیش میں اتنی سی خلل اندازی بھی گوارا نہیں ہے جتنی ایک بچہ کی پرورش کی وجہ سے ہوتی ہے۔

بہر حال برتھ کنٹرول والے کچھ بھی کہیں اور اُن کے اصول خواہ کچھ بھی ہوں لیکن یہ حقیقت کسی طرح نہیں بدل سکتی کہ فطرت نے مرد اور عورت دونوں کے دلوں میں اولاد کی تمنا دی ہے اور ہر وہ کوشش جو اولاد کی پیدائش اور نسل کی افزائش کے خلاف ہو ایک غیر فطری چیز ہے۔ اولاد کو پیدا ہونے سے پہلے ہی قتل کر دینا تو مہذب دنیا کا طریقہ ہے لیکن وحشی قومیں اولاد کو بالخصوص لڑکیوں کو پیدا ہو جانے کے بعد بھی ہلاک کر دینے کی عادی تھیں۔ خود ہمارے ہندوستان میں اور ملک عرب میں بھی ان ننھی ننھی سی جانوں پر یہی ظلم توڑے جاتے تھے اور جاہل باپ ایک بیٹی کی موجودگی کو اپنے لئے بے غیرتی اور بے عزتی کا باعث خیال کیا کرتا تھا۔ عیسائیوں کی مذہبی دنیا میں بھی نسل انسانی کے ان ابتدائی خاکوں کے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہیں ہوتا تھا اور حضرت مریم کے نام پر کنوارے اور کنواری رہنے والے اور رہنے والیاں جب گرجاؤں کی مقدس زمین کو انسانی سیاہ کاریوں سے آلودہ کیا کرتے تھے اور ان بداعمالیوں کی جیتی جاگتی شہادتیں پیدا ہوا کرتی تھیں تو قبل اس کے کہ دنیا ان سے روشناس ہو انہیں گرجاؤں ہی کے صحن میں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اور اس طرح بدترین جرائم کے ارتکاب کے بعد بھی مذہب عیسوی کے پیشوا اس قابل رہتے تھے کہ دنیا کے سامنے آئیں اور اپنی صورت دکھائیں

اولاد کے ساتھ گذشتہ زمانہ میں یہ کچھ کیا جاتا تھا اور ہمارے اپنے "ترقی یافتہ" زمانہ میں وہ کچھ ہو رہا ہے جو اوپر بیان ہوا۔ لیکن کوئی مذہب اس غریب اور بے کس طبقہ کی امداد کے لئے کھڑا نہ ہوا جسے "انسانی نیچے"

کہا جاتا ہے۔ اگلے وقتوں کے وحشیوں نے بھی خوب ان پر اپنی چھریاں تیز کیں اور آجکل کے مہذب حکما بھی انہی پر اپنی دواؤں کے اثر آزمایا کرتے ہیں۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ سب سے زیادہ مکمل مذہب ہے اور اسکے قانون سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد انسان کو کسی اور قانون کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام ایک اتنے بڑے جرم کو نظر انداز کر دیتا یا یہ کہ ماں باپ پر اولاد کے کچھ حقوق نہ قائم کرتا۔ اپنے برگزیدہ پیغمبر کے ذریعے خدا نے لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا کہ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ یعنی اے لوگو تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو انہیں اور تمہیں ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ اولاد کا قتل کرنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

قتل اولاد ہی کے متعلق خدائے پاک کا یہ ارشاد بھی ہم تک پہنچا ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

یعنی بیشک وہ لوگ بڑے ہی خسارہ میں ہیں جنہوں نے بیوقوفی اور جہالت کی وجہ سے اپنے بچوں کو مار ڈالا اور اللہ نے جو روزی انہیں دی تھی اس کو خدا پر جھوٹے بہتان باندھ باندھ کر اپنے لئے حرام کر لیا۔ بلا شبہ یہ لوگ سیدھے راستے سے بھٹک گئے اور یہ سیدھے راستہ پر آنیوالے تھے بھی نہیں۔

اولاد کی خطاؤں سے درگذر کرنے کے متعلق ہمیں حکم ملا ہے کہ

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

یعنی اے مسلمانو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط کرتے رہو اور اگر تم ان کے قصور معاف کر دو اور ان سے درگذر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

اولاد کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آنے کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن بن علی رضی اللہ عنہ وعندہ الاقرع بن حابس التمیمی جالس فقال الاقرع ان لی عشرۃ من الولد ما قبلت منھم احدا فنظر الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال من لا یرحم لا یرحم (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ جناب حسنؓ کو پیار کیا اور اس موقع پر حابس کا بیٹا اقرع تمیمی بھی موجود تھا۔ اس نے کہا میرے دس بچے ہیں مگر میں نے تو ان میں سے ایک کو بھی کبھی پیار نہیں کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو شخص کسی پر مہربانی نہیں کرتا اس پر خدا بھی مہربانی نہیں کرتا۔

ایک اور حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جاءتنی امرأۃ ومعھا ابنتان لھا تسألنی فلم تجد عندی غیر تمرۃ واحدۃ فاعطیتھا ایاھا فقسمتھا بین ابنتیھا ولم تاکل منھا ثم قامت

فخرجت فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحدثتہ فقال من ابتلی من ھذہ البنات لبشیء فاحسن الیھن کن لہ سترا من النار (بخاری ومسلم)

یعنی میرے پاس ایک عورت کچھ مانگنے کو آئی اور اس کے ساتھ اُسکی دو لڑکیاں تھیں لیکن میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ چنانچہ میں نے وہی کھجور اُسے دیدی اس نے آدھی آدھی کھجور دونوں لڑکیوں کو بانٹ دی اور خود کچھ نہ کھایا پھر اُٹھکر چلی گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان لڑکیوں کے لئے تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ کی آگ سے روک اور پردہ ہوجائیں گی۔

ایک اور حدیث ہے من کانت لہ انثی فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یوثر ولدہ یعنی الذکور علیھا ادخلہ اللہ تعالی الجنۃ (ابو داؤد) یعنی اگر کسی شخص کے گھر لڑکی پیدا ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے نہ اُسے ذلیل خیال کرے اور نہ لڑکوں کے مقابلہ میں حقیر جانے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بچوں کی تعلیم اور تربیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ما نحل والد ولدہ من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی) یعنی باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کے لئے اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ اس کی تعلیم اور تربیت اچھی طرح سے کرے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ بیٹے کی تعلیم صدقہ اور خیرات سے بہتر ہے۔ قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لان یؤدب الرجل ولدہ خیر لہ من ان یتصدق بصاع (ترمذی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا اپنی اولاد کو ادب دینا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے۔

اولاد کے حقوق کے متعلق اور مذہبوں کی خاموشی اور متمدن دنیا کا اپنے حفظ نفس کی خاطر اولاد کشی کی جانب میلان دیکھ لینے کے بعد کون ایسا صاحب عقل اور صاحب انصاف ہوگا جو بے اختیار یہ نہ کہہ اٹھے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو دین فطرت کہلا سکتا ہے اور یہی ایک ایسا مکمل دین ہے جس نے چھوٹے سے بڑے تک سب کے حقوق قائم کر کے اس دارالفساد کو دارالامن اور دارالسلام بنانے کی کوشش کی ہے۔

کنبے والوں کے ساتھ برتاؤ

ایک زمانہ تھا کہ جب ایک دادا یا ایک پردادا کی اولاد آپس میں مل جل کر رہا کرتی تھی اور اسی کا نام ایک قبیلہ یا ایک جماعت ہوتا تھا۔ اگر سچ پوچھا جائے تو تمدن کی ابتدا ہی اس طرح ہوئی کہ ایک کنبہ یا ایک قبیلہ کے آدمی ایک ہی جگہ اکٹھے ہو کر رہنے لگے۔ قبیلہ میں جو سب سے بزرگ ہوتا تھا وہی اکثر قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور باقی تمام افراد اسی طرح اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کیا کرتے تھے کہ جس طرح کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کی کیجاتی ہے۔ تمدن جس قدر ترقی کرتا گیا اسی قدر الگ الگ قبیلوں کی تعداد کم اور ہر ایک قبیلہ کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ ایک ملک یا ایک سلطنت کی حدود کے اندر رہنے والے تمام لوگ ایک قبیلہ یا ایک قوم ہو گئے۔ بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں اور چھوٹے قبیلوں کی صورت میں جو کام قبیلہ کا سردار یا بزرگ کیا کرتا تھا وہی

کام پوری قوم کے لئے بادشاہ کرنے لگا۔ اس تبدیلی حالات نے ملکوں کی ان خانہ جنگیوں کو مٹا دیا جو آئے دن مختلف قبیلوں کے درمیان ہوا کرتی تھیں اور اس طرح بادشاہتیں قائم ہونے سے قیام امن میں بہت کچھ مدد ملی روز روز کی لڑائیوں کی وجہ سے کوئی قوم کسی قسم کی ترقی نہ کر سکتی تھی اب اطمینان اور آرام میسر آنے پر لوگوں نے ہر طرح کے علوم و فنون کی جانب توجہ کی اللہ قدرت کے چھپے ہوئے اسرار کی گرہ کشائی میں مصروف ہو گئے۔ لیکن حریص اور طماع انسان کی مصیبتیں اس قدر آسانی سے ختم نہ ہو سکتی تھیں قبیلوں کی خانہ جنگیاں اگر بند ہو گئیں تو بادشاہوں کی ملک گیریاں شروع ہو گئیں اور دنیا امن اور اطمینان کو اسی طرح ترستی رہی کہ جیسے وہ دور جاہلیت و وحشت میں ترستی تھی۔ اسلام نے نہایت صحیح اور سچی جمہوریت کی بنا ڈالی اور اپنے پیروؤں کو حکومت کا ایک ایسا طریقہ بتا دیا جو اگر عام ہو جاتا تو دنیا یقینی طور پر فتنہ و فساد اور قتل و غارت کی لعنت سے نجات پا جاتی۔ لیکن بدقسمتی سے خود مسلمان ہی اس کی پابندی نہ کر سکے اور دنیا کے مصلح اعظم کی وفات کے صرف تھوڑے ہی سے عرصہ کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بالکل ایک شخصی حکومت کا بادشاہ بن بیٹھا اور منصب خلافت و امارت ورثہ میں باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہونے لگا۔ دنیا کو ملکیت کی بلا سے نجات دلاتا جن کا مقصد تھا وہ خود اسی بلا میں گرفتار ہو گئے اور تمام دنیا بدستور شخصی حکومتوں کی لعنت میں مبتلا رہی۔ ایک فرد واحد کے غلام بنکر زندگی بسر کرنا، اور خواہ وہ غلطی پر ہو یا راستی پر محض اس کی طاقت کے خوف سے اس کے ہر حکم کے آگے سر جھکا دینا انسانی فطرت کے لیے ایک ناقابل برداشت مصیبت تھی اس لئے اکثر جماعتوں نے شخصی حکومت اور ملکیت کے خلاف

علم بغاوت بلند کیا اور بزعم خود جمہوری حکومت کی بنا ڈالی۔ یہ جمہوری حکومتیں آج بھی دنیا میں رائج ہیں اور بہترین طرز کی حکومتیں خیال کی جاتی ہیں۔ جمہوریت کے اس دور میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں بہت سی خرابیاں بھی موجود ہیں اور ان کا ذکر مناسب مقام پر آئیگا۔ یہاں مجھے جس خاص بات کی طرف توجہ دلانی ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ طرز جمہوریت نے جہاں انسان کو خودداری سکھائی ہے وہاں وہی جمہوریت اس بات کا بھی سبب بنی ہے کہ انسان خودپسند اور خودپرست بنجائے اور اپنی عزت اور اپنا وقار قائم کرنے کی خواہش کچھ اس قدر زیادہ کردی ہے کہ متمدن دنیا کے ہر انسان کا رجحان طبع ایسا ہو گیا ہے کہ اپنے آپ کو معزز خیال کرنے کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں کو عام طور پر حقیر اور ذلیل سمجھے اور اپنی ذات اور اپنے نفس کو آرام پہنچانے کی دھن میں وہ اپنے خویش و اقارب سب کو نظر انداز کر جائے۔ "متمدن اور مہذب" دنیا کا نوجوان جس وقت تک خود سن بلوغ کو نہیں پہنچتا اُسوقت تک باپ پر اور بعض اوقات چچا وغیرہ پر اپنا تو یہ حق سمجھتا ہے کہ وہ اس کی پرورش کریں اور اس کی تعلیم و تربیت پر اپنا روپیہ، اپنی محنت اور اپنا وقت صرف کرتے رہیں لیکن ان سرپرستوں کی امداد سے بے نیاز ہونے کے بعد وہ اپنے اوپر اُن کا کوئی حق نہیں سمجھتا۔ اور اگر وہ اواخر عمر میں قویٰ کی کمزوری اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے دستگیری کے محتاج ہوں تو وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ اُن کے اس معذوری کے زمانہ میں اُن احسانات کا بدلہ کرے جو اُنہوں نے بحالت طفلی اس پر کئے تھے۔ مغربی ممالک میں ایسے فرزند ہیں ضرور جو اپنے والدین سے کافی محبت کرتے ہیں اور ایک حد تک خوشی سے اُن کی خدمت بجا لاتے ہیں لیکن اسکا

باعث یا تو اُن کا جذبہ محبت ہوتا ہے یا جذبہ خدا ترسی و فیاضی یہ سمجھکر کہ اعزا کا ہم پر حق ہے کوئی شخص بھی اپنے کسی عزیز کی خدمت پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس لیئے اپنے عزیزوں کی جو کچھ خدمت یا مدد "مہذب" دنیا میں کی جاتی ہے اسے صرف "خیرات" کہا جا سکتا ہے۔ اعزا اور اقربا کا حق نہیں کہا جا سکتا۔ گویا اگر ایک خوشحال اور فارغ البال نوجوان اپنے بوڑھے والدین کی یا اور قریبی عزیزوں کی قطعاً کوئی مدد نہ کرے تو وہ قابل الزام نہیں ہے۔ عزیزوں کی مدد اور خدمت کرنی تو بڑی چیز ہے تمدن اور تہذیب کا "علمبردار" تو آج ماں باپ بھائی بہن چچا اور ماموں سے آگے کوئی رشتہ ہی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے اور یہ چند رشتے بھی غالباً صرف اس لیئے مسلّم ہیں کہ اُن کے لیئے زبان میں نام موجود ہیں۔ ایسی ہزاروں مثالیں مل سکتی ہیں کہ بہنوئی اور سالا یا پھوپھا اور بھتیجا ایک ہی شہر اور ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں اور کبھی آپس میں سلام و دعا تک نہیں ہوتی۔ ہم مشرقیوں پر بھی یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ہم اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی امداد میں افراط سے کام لیتے ہیں اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ کنبہ میں جو ایک شخص خوشحال ہوا تو اسکی آمدنی میں کئی ایک اچھے خاصے صحیح القویٰ اور تندرست رشتہ دار حصہ لگا لیتے ہیں اور اس طرح قوم میں نکمّے اور سُست لوگوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ یقیناً افراط ہے اور ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے لیکن یہ بھی یقیناً تفریط ہے کہ ہم اپنے عزیزوں سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھیں اور بحالت محتاجی و معذوری بھی انہیں خیراتی اسپتالوں اور محتاج خانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ مشرقی افراط اور مغربی تفریط کے بین بین ایک

حالت ایسی ہوسکتی ہو کہ ہم اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کی اس یگانگت کو تسلیم کریں جو انہیں ہم سے ہے اور صرف ان کی معذوری اور محتاجی کے وقت سچے دل سے ان کی اعانت اور خدمت پر کمربستہ ہو جائیں۔ اسلام کسی معذور الخدمت ضعیف، اور محتاج شخص کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا، اور اسی غرض سے وہ ہر شخص کے حقوق اس کے رشتہ داروں پر قائم کرتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج یعنی نیکی اس کا نام نہیں ہے کہ تم پورب کو یا پچھم کو منہ کرکے کھڑے ہو جاؤ بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ اللہ پر اور آخرت پر، فرشتوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور اپنا مال خدا کی محبت میں اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دو، اور لوگوں کی گردنیں غلامی سے چھڑاؤ۔

دوسری جگہ خدائے پاک نے فرمایا ہے کہ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ یعنی اے پیغمبر لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں انہیں بتا دو کہ خیر خیرات کے طور پر جو کچھ بھی خرچ کرو تو وہ تمہارے ماں باپ کا حق ہے اور قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا۔

کلام پاک کی ایک اور آیت ہے کہ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا

بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ یعنی اے لوگو اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ و رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں اچھا سلوک کرتے رہو۔

ایک اور آیت میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَ الْمِسْکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا یعنی اے پیغمبر رشتہ داروں اور غریبوں اور مسافروں کو انکے حق پہنچاتے رہو۔ اور دولت کو بیجا خرچ نہ کرو۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَ الْمِسْکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ذٰلِکَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی اے پیغمبر رشتہ دار کو اس کا حق دیتے رہو اور محتاج اور مسافر کو بھی۔ جو لوگ خدا کی رضامندی چاہتے ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعزا اور اقربا کے ساتھ سلوک کرنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے چنانچہ ایک حدیث ہے۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یبسط فی رزقہ و ینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ (بخاری و مسلم) یعنی حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو

کہ خدا اس کی روزی میں وسعت اور عمر میں ترقی بخشے تو وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا رہے۔

اس سے بھی زیادہ زور کے ساتھ آپ نے فرمایا ہے کہ لا یدخل الجنۃ قاطع الرحم (بخاری و مسلم) یعنی جو شخص قرابت کا لحاظ نہیں کرتا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

ایک اور حدیث ہے کہ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یرحم صغیرنا و لم یوقر کبیرنا و یامر بالمعروف و ینہ عن المنکر (ترمذی)

یعنی ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اسی طرح جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے وہ بھی۔

عیاض بن حمار سے ایک حدیث منقول ہے کہ اھل الجنۃ ثلثۃ ذو سلطان مقسط متصدق موفق و رجل رحیم رقیق القلب لکل ذی قربی و مسلم و عفیف متعفف ذو عیال (مسلم)

یعنی جنتی تین قسم کے لوگ ہیں اول منصف بادشاہ لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا اور نیکی اور بھلائی کی توفیق پایا ہوا۔ دوسرا نرم دل اور مہربان آدمی جو ہر رشتہ دار اور ہر مسلمان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہو اور تیسرا اہل و عیال والا پارسا آدمی جو حرام سے باز رہتا ہو اور فقیری کے اظہار سے شرم کرتا ہو۔

کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا بھی ہے کہ جو دولت ہم نے کمائی ہے اس میں کسی دوسرے کا کیا حق ہے اور کیوں ایسا کیا جائے کہ ہم اپنے عیش و آرام کو ترک کر کے اپنے روپیہ سے دوسروں کی خدمت کریں۔ صاحب زر اور بندگان عیش انسانوں کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ ہمیں اپنی دولت کا اختیار ہے ہم اسے جس طرح چاہیں صرف

کیا کریں۔ ہم اگر عیاشی میں دولت لٹایا کرتے ہیں تو وہ کسی اور کی ملکیت تو نہیں ہوتی ہماری اپنی چیز ہوتی ہے اور ہم مختار ہیں کہ چاہیں تو اسے لٹائیں اور چاہیں رکھیں۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر تو کوئی گناہ بھی گناہ نہ رہیگا۔ ایک زانی بلا تکلف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اپنی قوت اور اپنی صحت برباد کیا کرتا ہوں اس میں کسی دوسرے کا کیا ہے اور ایک خودکشی کا ارادہ کرنے والا اپنے فعل کے جواز میں یہ دلیل پیش کر سکتا ہے کہ میں تو اپنی جان دے رہا ہوں کسی دوسرے کی جان تو ضائع نہیں کرتا۔ حقیقتاً یہ صرف ایک دھوکا ہے کیونکہ افراد کی جان اور افراد کا مال فی الاصل جماعت کی ملکیت ہے۔ قوم کو اپنے ہر ہر فرد کی جان کی ضرورت ہے اور وہ اس کو روا نہیں رکھتی کہ کوئی سا ایک فرد بھی قومی ضرورت کے علاوہ اور کسی غرض سے اپنی جان کھو دے۔ انفرادی طور پر اگر کوئی شخص اپنی جان کھوتا ہے تو وہ قوم کا گنہگار ہے۔ کیونکہ اس نے جماعت کی قوت کو بقدر ایک انسان کے کم کر دیا۔ نیز یہ کہ اگر وہ شادی شدہ اور صاحب اولاد تھا تو ایک یا ایک سے زیادہ افراد قوم کو بے یار و مددگار اور بیکس و ناچار بنا کر ان کا بار قوم کے سر ڈال دیا۔ اپنی بیوی کی پرورش اور اپنے بچوں کی تربیت اور تعلیم اس پر قوم کی جانب سے فرض تھی اس نے جان دیکر اس فرض سے اپنی جان بچائی اور قوم کو مجبور ہونا پڑا کہ یہ کام دوسرے افراد سنبھالیں۔ حالانکہ ان سب کے پاس حصہ رسد اپنا اپنا کام موجود ہے۔ اسی طرح جو روپیہ کہ خزانوں میں بھرا پڑا ہے اور باپ دادا سے ورثہ میں ملتا چلا آ رہا ہے وہ ہمارا کمایا ہوا نہیں ہے اور اس کے حاصل کرنے پر ہماری محنت اور ہمارا وقت صرف نہیں ہوا ہے اس لئے اسے ہم صحیح معنوں میں اپنا نہیں کہہ سکتے۔ ہماری اپنی کمائی ہوئی دولت بھی اگر وہ ہماری جائز ضرورتوں سے زیادہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ہمارے لئے بیکار ہے۔ صندوقوں اور الماریوں میں

سونے کی اینٹیں بھری رہیں یا معمولی پتھر۔ دونوں برابر ہیں۔ اس لئے زاید از ضرورت جس قدر بھی ہمارے پاس ہے وہ ہمارے لیئے تو پتھر ہے اور قوم کے لیے سونا قوم کے لیئے جو چیز سونا ہے اُسے اگر ہم محض اپنی حرص اور طمع کی وجہ سے پتھر میں تبدیل کر دیتے ہیں تو یہ قوم کے لیئے خسارہ ہے اور اس لئے قومی گناہ ہے۔ جو روپیہ کہ ہماری ضرورت سے زیادہ ہمارے پاس ہے اور اسے ہم بالکل بلا ضرورت صرف اس لیے لٹا رہے ہیں کہ وہ ہمارے پاس ہے تو وہ بھی ہمارے کام نہیں آتا۔ کیونکہ کام تو وہی چیز آسکتی ہے کہ جس کی ہمیں ضرورت ہو۔ اس لیئے یہ بھی قومی گناہ ہے مثلاً ہمیں جوا کھیلنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہم جوا کھیل کر ایک لاکھ روپئے ہار جائیں تو یہ یقیناً گناہ ہے۔ یہی ایک لاکھ روپیہ اگر ہمارے کسی کام آتا اور اس سے ہمارے جسم کو یا ہماری روح کو کوئی فائدہ اور کوئی آرام پہنچتا تو یہ خرچ جائز ہوسکتا تھا۔ کیونکہ قوم کے ایک فرد کو فائدہ پہنچتا۔ لیکن بصورت موجودہ وہ کسی کام بھی نہ آیا اور قوم کا ایک فرد یا یہ کہ قوم اتنی بڑی رقم سے محروم ہوگئی۔ یا یہ کہ ہم نے محض نمود و نمائش کے لیئے دروازہ پر چار ہاتھی باندھ رکھے ہیں تو چونکہ یہ بھی ہمارے کسی کام نہیں آتے اس لیئے یہ قومی گناہ ہے اور ہمیں حق نہیں ہے کہ ان کی خریداری اور ان کی پرورش پر روپیہ ضائع کریں کچھ عرصہ پیشتر جبکہ ہاتھی میدان جنگ میں کام دیا کرتے تھے اگر ہم ہاتھی پال رکھتے تو بالکل جائز ہوتا۔ کیونکہ وہ بحالت جنگ قوم کے کام آسکتے تھے۔ اب انکی بجائے اگر ہم موٹریں اور ہوائی جہاز رکھیں تو چونکہ ضرورت کے وقت یہ چیزیں قوم کے کام آسکتی ہیں اس لیئے ان کا رکھنا جائز کہلایا جاسکتا ہے اس تمام تفصیل سے غرض یہ تھی کہ ہر صورت و بہر حالت ہم خود اور جو کچھ بھی ہمارا ہے وہ سب قوم کا ہے۔ اور اگر ہم کوئی کام قوم کے مفاد کے خلاف

کر رہے ہیں تو ہم قوم کے باغی ہیں اور جو دولت ہم بے کار لٹا رہے ہیں خواہ وہ کہنے کو ہماری اپنی ہی ملکیت ہو لیسے جرم اور گناہ ہی کہا جائیگا۔ ہماری دولت کا ہماری جسمانی طاقت کا اور ہماری دماغی قوت کا بہترین مصرف یہی ہے کہ وہ قوم کے کام آئیں، اس لئے اسلام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہم اپنے بعد سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کریں اور ظاہر ہے کہ اگر احکام اسلام کی پابندی کر کے ہر شخص اپنے معذور اور محتاج رشتہ داروں کی امداد کیا کرے تو قوم یا قومی حکومت کو لاکھوں یتیموں اور محتاجوں کی پرورش کے انتظام سے نجات مل جائے۔

اس بات کی اسلام کسی حالت میں بھی اجازت نہیں دیتا کہ ہم ہٹے کٹے تندرست لوگوں کی پرورش اپنے ذمہ لیکر انہیں سست اور نکما بنا دیں۔ اس لیے رشتہ داروں کے ساتھ جو یگانگت کی افراط عام طور پر برتی جاتی ہے اسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام بحالت ضرورت ہر شخص کی مدد کے لئے آمادہ ہے اور بحالت صحت واستغنا کسی کی دستگیری کی حمایت نہیں کرتا اور مشرقی افراط اور مغربی تفریط کے درمیان جو رستہ قابل قبول اور قابل تعریف ہو سکتا ہے وہ یہی اور صرف یہی ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ

مل جلکر رہنے کی صورت میں اپنے گھر اور اپنے خاندان سے باہر سب سے زیادہ جس سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے وہ ہمارا پڑوسی ہے۔ ہندوستان میں تو پڑوسی کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ منجملہ اور دعاؤں کے جو خدا سے مانگی جاتی ہیں ایک دعا یہ بھی ہے کہ "خدا پڑوس خراب نہ دے"، اور حقیقت بھی یہی ہے

کہ اگر پڑوسی برا ہو یا اس سے ہمارے تعلقات اچھے نہ ہوں تو وہ ہمارے لئے ایک مستقل مصیبت اور تکلیف بنجاتا ہے۔ اہل مغرب تو ماں باپوں اور رشتہ داروں ہی کو نہیں پہچانتے تو پھر بھلا غریب پڑوسی کس شمار و قطار میں ہے لیکن اہل مشرق کی معاشرت میں ہمسایہ کو ہمیشہ ایک خاص اہمیت اور ایک وقیع درجہ حاصل رہا ہے۔ آہستہ آہستہ مغربی تمدن جہاں ہماری اور بہت سی خصوصیات کو فنا کرتا جارہا ہے وہیں پڑوسیوں سے میل جول اور تعلقات بھی ختم ہوتے جارہے ہیں اور اب بڑے بڑے شہروں میں صدہا خاندان ایسے آباد ہیں جنہیں یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ ان کے برابر کے مکان میں کون رہتا ہے "مہذب"، اور "متمدن"، مغرب ممکن ہے اسے خوبی خیال کرتا ہو لیکن اگر یہ حقیقتاً کوئی خوبی ہے تو ایسی ہی خوبی ہے کہ جو ہم مشرقیوں کی فہم سے بالاتر ہے۔ ہم تو کچھ اسی کے عادی ہیں اور اسی کو اچھا خیال کرتے ہیں کہ پڑوسی تو بڑی چیز ہے اہل محلہ سے بھی کافی تعلقات رکھیں۔ ہم اُن کے دُکھ درد میں شریک ہوں اور وہ ہماری تکلیف اور مصیبت میں کام آئیں ڈاکوؤں کا حملہ اگر یورپ میں کسی مکان پر ہو تب بھی اور ہندوستان کے کسی مکان پر ہو تب بھی محلہ کے لوگ اس شخص کی مدد کے لئے دوڑیں گے ضرور کہ جس کے مکان پر حملہ ہوا ہے۔ لیکن یورپ کے "مہذب"، لوگ اس خیال سے دوڑیں گے کہ اگر ڈاکو گرفتار نہ ہوئے تو کل کو ہمارے گھر کی باری آئے گی۔ اور ہندوستانی "غیر مہذب"، اس خیال سے کہ ہمارا بھائی مصیبت میں مبتلا ہے اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ تہذیب اور تمدن نے لوگوں کی ذہنیت کیا کر دی ہے۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہندوستانی سب کے سب مجسمہ ایثار ہوتے ہیں اور ان میں خود پرستی اور خود غرضی

کا مادہ ہی نہیں، یا یہ کہ اہل مغرب جذبہ ایثار سے بالکل نا آشنا ہیں لیکن میں یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ موجودہ تہذیب کا لوگوں کی معاشرت پر جو سب سے برا اثر پڑا ہے وہ یہی ہے کہ انسانوں کی خود طلبی اور نفس پرستی بہت کچھ ترقی کر گئی ہے اور اکثر وہ اگر کوئی اچھا اور نیک کام بھی کرتے ہیں تو اس کا محرک فیاضی کے جذبہ کی بجائے خود پرستی کا جذبہ ہوتا ہے۔ آج سے پچاس برس پہلے تک کہ جب تک مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب و تمدن سے ہم اس قدر آشنا نہ تھے بہت سے نیک اور مخلص لوگ ہمدردی بنی نوع اور ہمدردی قوم کے جذبات لے کر اٹھتے تھے اور سالہا سال نہایت خاموشی کے ساتھ ہم قوموں اور ہم جنسوں کی خدمت کرتے تھے نہ انہیں کسی معاوضہ کی تمنا ہوتی تھی اور نہ شہرت کی آرزو، تب کہیں جا کر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ انکی فیاضی اور ایثار نفس کے کارناموں سے متاثر ہو کر انکی عزت اور تعظیم کرنے لگتے تھے اور ان کی پیروی کرنے اور ان کا حکم بجا لانے کو ہر شخص اپنے لیئے باعث فخر خیال کرتا تھا لیکن اب یہ ہوتا ہے کہ شہرت اور عزت کے طلبگار بطور خود ہماری صف سے نکلکر آگے بڑھتے ہیں اور گھر گھر جا کر اس بات کا زبانی اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی قوم سے بڑی محبت ہے۔ ہم اپنے وطن کے عشق کے جذبات سے سرشار ہیں، ہماری جان اپنے فرقہ کے نام پر فدا ہے، اور ہم کونسلوں میں پہنچکر اس طرح حکومت سے لڑیں گے اور میونسپل کمیٹیوں میں اس طرح تمہارے حقوق کی حفاظت کریں گے۔ مختصر یہ کہ اپنی نا کردہ خدمات کا بیانگ دہل اعلان کر کے قوم کے پیشوا بن بیٹھتے ہیں، اور پھر اپنی اس پیشوائی کو قائم رکھنے کے لیئے انہیں اس میں بھی تامل نہیں ہوتا کہ ہر حاکم ضلع کی چوکھٹ پر روزانہ ایک سجدہ کر آیا کریں، اور اس میں بھی دریغ نہیں ہوتا کہ مذہب کا نام لے کر دو فرقوں کو آپس میں لڑا یا کریں اور بھائیوں کے ہاتھوں سے

بھائیوں کے گلے کٹوایا کریں۔ پہلے وہ لوگ پیشوا اور رہنما بنتے تھے جنہوں نے برسوں تک کسی لالچ کے بغیر قوم کی خدمت کی ہو اور جنہیں قوم خود صف سے آگے نکال کر کھڑا کر دے۔ اب پیشوائی اور راہنمائی اُن لوگوں کا حصہ ہے جو تحریر تقریر اخبار اور اشتہار غرضکہ ہر ممکن ذریعہ سے اپنی تعریف کے گیت خود گاتے پھرتے ہیں۔ خود صف سے آگے نکلکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات جن کا انجام یہ ہوتا ہے کہ قوم نہیں اپنے آگے سے کھینچکر سب سے پچھلی صف میں پہنچا دیتی ہے۔ پرانے وقتوں میں اصول یہ تھا کہ "نیکی کر اور دریا میں ڈال" لیکن آج جس اصول پر "مہذب" دنیا کام کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ "باتیں بنا اور اپنا نام اُچھال" اور ان دونوں اصولوں میں جو فرق ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اس تمام تفصیل سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ نئی تہذیب کا مقتضا یہ ہے کہ جو کچھ بھی کرو اس میں اپنا ذاتی فائدہ ضرور ملحوظ رکھو۔ بلکہ شاید یہ کہنا اور بھی زیادہ صحیح ہوگا کہ جو کچھ بھی کرو صرف اپنے لئے کرو اور ضمناً اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچ جائے تو سبحان اللہ۔ اسلام اس کے خلاف ہمیں اس بات پر مجبور کرنا چاہتا ہے کہ ہم اپنے دوسرے بھائیوں کے درد سے بے خبر اور بے پروانہ رہیں اور قریب کے رشتہ داروں کے بعد وہ ہم پر ہمارے پڑوسیوں کے حقوق قائم کرتا ہے۔ بارگاہ ایزدی سے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا ہمیں جو حکم ملا ہے وہ یہ ہے کہ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط

یعنی لوگو اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور

اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں ان سب کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پڑوسی کے جو حقوق ہم پر قائم کیے گئے ہیں ان میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ پڑوسی ہونے کے لحاظ سے ایک عیسائی ایک یہودی، ایک پارسی، ایک ہندو اور ایک سکھ سب برابر ہیں۔ ہمارے برابر کے گھر میں اگر ایک مسلمان رہتا ہے تو وہ بھی ہمارے سلوک کا مستحق ہے اور اگر ایک عیسائی یا ہندو رہتا ہے تو اس کے ساتھ بھی سلوک سے پیش آنا ہم پر فرض ہے اور یہ فرض بھی آج کل کی سیاسی دنیا کا سا فرض نہیں ہے کہ جس کے کوئی معنی نہیں ہوتے بلکہ اس فرض کے متعلق جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی سخت تاکید فرمائی ہے آپ کا ارشاد ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رجل یا رسول اللہ ان فلانۃ تذکر من کثرۃ صلوٰتھا وصیامھا وصدقتھا غیر انھا تؤذی جیرانھا بلسانھا قال ھی فی النار قال یا رسول اللہ ان فلانۃ تذکر من قلۃ صیامھا و صدقتھا وصلوٰتھا ولا تؤذی بلسانھا جیرانھا قال ھی فی الجنۃ

یعنی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فلاں عورت کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ وہ نماز بہت پڑھتی ہے روزے بکثرت رکھتی ہے اور بہت کچھ صدقہ وخیرات کرتی ہے لیکن اپنے ہمسایہ کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچایا کرتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائیگی۔ پھر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں عورت کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ نماز کم پڑھتی ہے روزے بھی کم رکھتی ہے اور خیر خیرات بھی برائے نام ہی کرتی ہے لیکن اس کے ہمسایہ کو اس کی زبان سے

کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تو آپ نے فرمایا کہ وہ جنت میں جائیگی۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن قیل من یا رسول اللہ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ (بخاری و مسلم)

یعنی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم خدا کی وہ ایماندار نہیں ہے قسم خدا کی وہ ایماندار نہیں ہے، قسم خدا کی وہ ایماندار نہیں ہے کسی نے کہا یا رسول اللہ کون ایماندار نہیں ہے۔ آپنے فرمایا وہ شخص کہ جس کے پڑوسی اس کی ایذا دہی سے محفوظ نہ ہوں۔

عن عبد اللہ ابن مسعود رضؓ قال قال رجل یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعو للہ ندًا وھو خلقک قال ثم ای قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک قال ثم ای قال ان تزنی حلیلۃ جارک ۔ الی اخرہ

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے آپنے فرمایا کہ تیرا خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے بعد آپنے فرمایا کہ تیرا اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دینا کہ وہ بڑے ہوکر تیرے ساتھ کھائیں گے۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد تو آپنے فرمایا کہ تیرا اپنے پڑوسی کی عورت سے حرام کرنا الخ

اسی مضمون کی ایک حدیث امام احمد کی مسند میں بھی منقول ہے مقداد بن الاسود کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے پوچھا کہ تم زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو جواب میں کہا گیا کہ حرام ہے۔ خدا اور رسول نے قیامت تک کے

نے زنا کو حرام کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ایک مرد کا دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنا اتنا سخت نہیں جتنا ہمسائے کی ایک عورت سے زنا کرنا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ تم چوری کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حرام ہے۔ خدا اور رسول نے چوری کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دس گھروں میں چوری کرے تو یہ اس کے لئے اتنا سخت نہیں ہے جتنا کہ ہمسایہ کے ایک گھر میں چوری کرنا۔

عن ابی هریرة رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یمنع جار جاره ان یغرز خشبته فی جداره (مسلم و بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ہمسایہ دوسرے ہمسایہ کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ روکے۔

عن ابی هریرة رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے بلکہ اس کے ساتھ سلوک کرے۔ اگرچہ ایک بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ عن عائشة رضی الله عنها قالت یا رسول الله ان لی جارین فالی ایهما اهدی قال الی اقربهما منک بابا ۔ (بخاری) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو تحفہ بھیجوں آپ نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔

عن ابن عباسؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیس المؤمن الذی یشبع و جارہ جائع۔

یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جو شخص خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے تو وہ مومن نہیں ہے۔

پڑوسیوں کا حق شفعہ بھی اسلام ہی کی برکت ہے اور اسلام کی پڑوسیوں کے ساتھ اس رعایت میں کچھ ایسی خوبیاں مضمر تھیں کہ دوسرے مذہب والوں نے بھی اسے خفیف سے تغیر و تبدل کے ساتھ اپنا قانون بنالیا ہے۔ ایک حق شفعہ ہی پر کیا منحصر ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کے قوانین اگر کتابوں کی بجائے مسلمانوں کی زندگیوں میں دیکھنے کو مل سکتے تو آج اسلام کا ایک قانون بھی ایسا نہ ہوتا جسے تمام دنیا نہ قبول کر چکی ہوتی۔ لیکن اس مصیبت کو کیا کیا جائے کہ غیر مسلم تو درکنار رہے آج خود مسلمانوں کو بھی لکھ لکھ کر یہ بتائے جانے کی ضرورت ہے کہ اسلام کے احکام کیا ہیں اور اُن کے خدا نے اُن کے لئے کیا قانون بنایا ہے۔ مسلمان اگر آج مسلمان ہوتے تو دنیا میں وہ کون سا انسان ہے جو ایسے اچھے پڑوسیوں کے پاؤں دھو دھو کر نہ پیتا اور اُن کے لئے اپنی جان تک دینے کو تیار نہ ہوتا۔ مسلمان کیوں مسلمان نہیں ہیں اور کیوں آج ان پر "اچھے پڑوسی" کا لقب صادق نہیں آتا اس کا جواب میرے ذمہ نہیں ہے بلکہ ان علمائے کرام کے ذمہ ہے جو امت مرحومہ کے پیشوا، علم دین کے محافظ، اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور جن میں سے اکثر نے صرف زبان سے اللہ اللہ کر لینے یا دن میں دو چار مرتبہ درود شریف پڑھ لینے کو اسلام سمجھ رکھا ہے۔ یا پھر ان فقرا اور صوفیا کے ذمہ ہے جن کی بیشتر تعداد

سرے سے شریعت کے تمام قوانین ہی کو فضول اور بیکار سمجھ بیٹھی ہے اور جن کے نزدیک اسلام کے صرف یہ معنی رہ گئے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور کوئی عمل پڑھ لیا۔ علماء ہوں یا صوفیاء جبکہ وہ خود ہی اسلام کا مقصد صرف اتنی سی بات کو سمجھتے ہیں کہ زبان سے دو چار عربی کے لفظ یا دیوان حافظ کا کوئی فارسی کا شعر ادا کر دیا جائے تو پھر غریب عوام اگر مذہب سے ناواقف محض رہ کر انسان کامل بننے کی بجائے حیوان جاہل بن جائیں تو کیا تعجب ہے ہماری زبانوں پر ہر وقت یہ دعویٰ رہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اگر حقیقتاً ہم مسلمان ہوتے تو یہ شرف ہمارے لئے بالکل بجا طور پر فخر کا باعث بھی ہو سکتا تھا لیکن حالت یہ ہے کہ نہ ہم اچھے ماں باپ ہیں نہ اچھی اولاد ہیں نہ اچھے میاں بیوی ہیں اور نہ اچھے پڑوسی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک اگر صحیح ہے کہ جو شخص اچھا پڑوسی نہ ہو وہ مومن نہیں ہو سکتا تو اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنے متعلق کیا خیال کریں جبکہ ہمارا شعار یہ ہے کہ نماز پڑھتے میں بھی یہی فکر رہتی ہے کہ کس طرح پڑوسی کے مکان کی کچھ تھوڑی سی زمین اپنے مکان میں شامل کر لی جائے یا یہ کہ پڑوسی کو کس طرح اس قدر تنگ کیا جائے کہ وہ مجبور ہو کر اپنا مکان ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈالے اور ہمارے مکان میں جو بیٹھک کی کمی ہے وہ اس طرح پوری ہو جائے۔ ایک روایت ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ تم سے مدد کی درخواست کرے تو مدد دو۔ قرض مانگے تو قرض دو۔ محتاج ہو تو اس کے ساتھ سلوک کرو۔ بیمار ہو تو عیادت کرو۔ مر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ خوشی کے موقع پر تہنیت اور غمی کے

موقعہ پر تعزیت بجا لاؤ۔ اپنے گھر کی دیوار اتنی بلند نہ اٹھاؤ کہ اس سے اس کے گھر کی ہوا رکے۔ نئے پھل خریدو تو اُسے بھی بھیجو اور اگر نہ بھیج سکو تو انہیں پوشیدہ رکھو اور اپنے بچوں کو پھل ہاتھ میں لئے باہر نہ جانے دو تاکہ اس کے بچے دیکھکر نہ کڑھیں۔ کیا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ہمارا یہ برتاؤ ہے؟ اگر نہیں ہے تو کیا ہمیں اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا ہم سچے اور پکے مسلمان ہیں۔

لونڈی غلاموں کے ساتھ برتاؤ

جن لوگوں نے اسلام کو بدنام کرنا اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے اُن کا اسلام پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اسلام نے لونڈی غلام رکھنے کی اجازت دی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کسی صورت اور کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کرتا کہ ایک انسان دوسرے اپنے ہی جیسے انسان کی غلامی کرے۔ اسلام کے اس دنیا میں آنے سے پیشتر مولی گاجر کی طرح آدمی بیچے جاتے تھے اور صرف تھوڑے سے روپے دیکر ایک انسان دوسرے انسان کی جان ومال کا اسی طرح مالک بنجاتا تھا کہ جس طرح ایک بھیڑ بکری یا گھوڑے اور اونٹ کا بنجاتا ہے حسین حسین لڑکیوں اور لڑکوں کو اکثر قزاق لوگ پکڑ لیجاتے تھے اور دوسرے ملکوں میں انہیں لیجا کر بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت کر ڈالتے تھے اور اس طرح روپے کے بدلے میں خریدے ہوئے لونڈی غلاموں کے ساتھ ہر قسم کا برے سے برا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اچھے خاصے انسان ہونے کے باوجود ان کنیزوں اور غلاموں کی کوئی عزت نہ ہوتی تھی اور اپنے مالک کے ادنیٰ سے اشارے پر ان کا فرض تھا کہ اپنی جان تک بلا تکلف قربان کر دیں ظالم اور خونریزی کے دلدادہ بادشاہ بعض اوقات محض اپنی ذراسی تفریح کے لئے یا اظہار طاقت کے لئے اپنے

غلاموں کو حکم دیدیا کرتے تھے کہ خاموشی کے ساتھ آ کر جلاد کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو جائیں اور وہ بہ یک ضربِ شمشیر اُن کا سر تن سے جدا کر دے۔ مشکل سے مشکل اور ذلیل سے ذلیل کام اُن کے سپرد کر دئیے جاتے تھے اور اس قدر محنت شاقہ برداشت کرنے کے بعد انہیں جو خوراک دی جاتی تھی وہ بالعموم ایسی ہی ہوتی تھی کہ جسے معمولی انسان نہ کھا سکیں۔ آقا اور مالک کے ایک کنیز اور ایک غلام پر ہر قسم کے حقوق تھے۔ لیکن بدنصیب غلام کا کوئی حق قابلِ تسلیم نہ تھا۔

غلامی کی صرف یہی ایک قسم نہ تھی جو دنیا میں رائج تھی۔ زرخرید غلاموں کے علاوہ شخصی حکمرانوں کی تمام رعایا بھی اپنے بادشاہ کی غلام ہوتی تھی اور ایک شخص محض اس سبب سے کہ وہ اتفاق سے کسی بادشاہ کے گھر پیدا ہو گیا ہے لاکھوں اور کروڑوں اپنے ہی جیسے انسانوں کی جان و مال کا مالک تصور کیا جاتا تھا۔ رعایا کے افراد میں سے اگر بادشاہ روزانہ ایک دو شخصوں کی جان محض اپنی خوشنودیٔ مزاج کی خاطر لے لیا کرتا تھا تو یہ بات نہ خلافِ قانون تھی اور نہ قابلِ شکایت اور بادشاہ تو بڑی چیز ہے۔ ہر زمیندار اور تعلقہ دار کو اپنی مملوکہ و مقبوضہ زمین پر آباد ہونے والے غریب کسانوں اور مزدوروں کے متعلق یہی حقوق حاصل تھے۔ ہر طرف طاقت پرستی کا دور دورہ تھا اور اُن تھوڑے سے خوش نصیب انسانوں کے علاوہ کہ جو بادشاہوں کے یا امیروں اور رئیسوں کے گھر پیدا ہو جاتے تھے باقی تمام خدا کے بندے جو کسی شخصی حکومت میں رہتے ہوں بالکل صحیح معنوں میں غلام تھے اور ان میں اور معمولی زرخرید غلاموں میں اگر کچھ فرق تھا تو صرف اس قدر کہ خرید کردہ غلاموں کی تو سرے سے ہستی ہی سوسائٹی میں تسلیم نہ کی جاتی تھی اور ایک خود مختار شخصی حکمران کی رعایا کو انسان ضرور تسلیم کیا جاتا تھا اور اپنے خانگی کاموں میں سے اکثر کے متعلق انہیں اس بات کی آزادی حاصل تھی

کہ جس طرح چاہیں کریں۔ قانون حق اور انصاف صرف بادشاہوں اور حکمرانوں کی مرضی اور حکم کے دوسرے نام تھے۔ اور ان سے سرتابی کی مجال اسی شخص کو ہو سکتی تھی جو اپنی جان سے تنگ آ چکا ہو۔

خدا کی پیدا کی ہوئی ذلیل سے ذلیل مخلوق جن میں کتے اور بندر سب شامل تھے کامل آزادی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کیا کرتی تھی۔ لیکن خدا کا پیدا کیا ہوا اشرف المخلوقات انسان محض تہذیب اور تمدن کی بدولت اس بات پر مجبور تھا کہ اپنے ہی جیسے ایک انسان کو اپنا خدا سمجھتا رہے اور اپنے ضمیر اور اپنی مرضی کو بالکل اسی کا تابع فرمان بنا دے۔ ہر ذلیل سے ذلیل جانور کو تو یہ آزادی حاصل تھی کہ خدا کی زمین پر جہاں چاہے جائے، جو کچھ چاہے کھائے جس طرح چاہے اٹھے جس طرح چاہے بیٹھے اور اگر کوئی دوسرا اسی جیسا جانور اس کے ایک سینگ یا ایک لات مارے تو یہ بھی جواب میں اس کے پیٹ میں دونوں سینگ بھونک دے یا دولتیوں سے اس کا منہ توڑ دے لیکن انسان کو سب سے زیادہ شریف مخلوق ہونے کے باوجود اس قسم کی کوئی آزادی حاصل نہ تھی۔ وہ اس بات پر مجبور تھا کہ اپنے ہی جیسے انسانوں کی جوتیاں کھائے اور دم نہ مارے۔ وہ اس بات پر مجبور تھا کہ رات دن محنت کرکے دولت پیدا کرے اور لیجا کر اسے ایک اپنے ہی جیسے انسان کے قدموں میں محض اس لئے ڈال دے کہ مروجہ تمدن نے اس انسان کو اس کا آقا یا بادشاہ بنا دیا تھا۔ خدا کی بہترین مخلوق کا ایک فرد، اور خدا کا اس دنیا میں خلیفہ ہونے کے باوجود ایک انسان اس بات پر مجبور تھا کہ خدا سے کہیں زیادہ سرگرمی کے ساتھ اس ایک انسان کی فرمانبرداری اور اطاعت کرے جسے اتفاقات نے صاحب زر یا صاحب طاقت بنا دیا ہے اور اپنا مال، اپنی جان، حتیٰ کہ اپنا ایمان

تک اس طاقتور ہستی کے قدموں میں نثار کر دے۔
دنیا میں ہر قسم کی مخلوق میں خدائے پاک نے نر اور مادہ کی دو صنفیں پیدا کی ہیں اور ان دونوں کے ملنے سے اس نوع کا ایک فرد مکمل ہوتا ہے۔ ان دونوں صنفوں کے درمیان اس پیدا کرنے والے نے کوئی اور تفریق نہ رکھی تھی بجز اس کے کہ ایک کے بعض جسمانی اعضا دوسرے سے مختلف ہوں اور حیوانی دنیا کا مشاہدہ کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جانوروں کے اندر ایک نر اور ایک مادہ میں درجہ اور حیثیت کا کوئی فرق نہیں ہے لیکن اشرف المخلوقات نے یہاں بھی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چنی اور یہاں بھی زر پرستی اور طاقت پرستی اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ اتفاقات نے مرد کو عورت کی بہ نسبت کسی قدر زیادہ صاحب طاقت بنا دیا، اور چونکہ تمدن کے قواعد نے روزی کمانا اس کے ذمہ کیا تھا۔ اس لئے روپیہ پیسہ بھی اسی کے ہاتھ میں رہنے لگا اور بدنصیب عورت بالکل اسی قدر انسان ہونے کے باوجود کہ جس قدر اس کا خاوند انسان تھا، اس بات پر مجبور کر دی گئی کہ ہر وقت خاوند کی غلامی کیا کرے اور اس کے تمام جائز و ناجائز احکام کی پابندی اپنے اوپر فرض خیال کرے اور اس کے بالمقابل مرد پر اس کا کوئی حق سوسائٹی کے نزدیک قابل تسلیم نہ ہو۔ اسلام سے پیشتر یہ دنیا گویا تھی غلاموں کی ایک بے انتہا بڑی بستی تھی جس میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک غلام ہی غلام بھرے ہوئے تھے اور ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے غول میں ایک انسان دوسروں سے بالاتر نظر آتا تھا جسے انسانی زبان میں بادشاہ کہا جاتا تھا۔ اس ایک بالادست اور پُر قوت ہستی کو ہزاروں اور لاکھوں اپنے ہی جیسے انسانوں پر یہ حق اور یہ اختیار حاصل تھا کہ یہ یک جنبش ابرو

جب چاہے اس کی زندگی ختم کر دے، جسے چاہے اس کی تمام جائداد ضبط کر کے دو روٹیوں کو محتاج بنا دے، اور جسے چاہے اس کی بیوی، بیٹی، یا بہن کو خوشی اور رضامندی سے نہیں بلکہ بالجبر اس سے چھین لے اور غلاموں کے گلّے اور گروہ اس بات پر مجبور رہتے کہ ان تمام مظالم کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا کریں۔ زبردستی اور ظلم کی مثالیں جانوروں میں بھی دیکھنے میں آتی ہیں اور بے زبان دنیا میں بھی اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ کسی شریر النفس گھوڑے نے بے وجہ و سبب کسی دوسرے گھوڑے کے لات رسید کر دی یا کسی بدمعاش بیل نے بے گناہ و بے قصور کسی دوسرے بیل کے پیٹ میں سینگ بھونک دیا۔ لیکن وہاں مظلوم اس بات پر مجبور نہیں ہوتا کہ ان ایذاؤں کو خوشی سے برداشت کرے بلکہ اسے بھی پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے کہ اتنے ہی زور سے اپنی لاتیں یا سینگ بھی استعمال کرے اور ظالم کو کلّہ بکلّہ اور ترکی بہ ترکی جواب دے۔ حیوانی دنیا کا کوئی فرد کسی حالت میں بھی اپنے ہی جیسے جانوروں کو اپنی خدمت پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور یہ "شرف" صرف اشرف المخلوقات ہی تک محدود ہے کہ انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کے آگے سجدے کرتے ہیں اور دو روٹیوں کی خاطر اسکی غلامی میں لگے رہتے ہیں۔ فطرت نے دوسرے جانداروں کی طرح ہمیں بھی یہی سبق سکھایا تھا کہ ضرورت کے وقت باہم متفق اور متحد ہو جائیں اور قوم یا فرقہ کے اندر جو سب سے زیادہ عقلمند سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ قوم کی خدمت کرنے والا ہو اسے اپنی جماعت کا امیر یا سردار بنا لیں۔ لیکن ہم نے فطرت کے سکھائے ہوئے سبق کو بھلا دیا اور ہر اس شخص کی سرداری اور حکمرانی قبول کر لی جو ہمارے انتخاب کی بدولت نہیں بلکہ محض اپنی طاقت

کے بل بوتے پر خود ہی صف سے آگے نکل کر کھڑا ہو جائے اور ہم پر حکومت کرنے لگے۔

اسلام مذہب فطرت ہے اور وہ کسی ایسی چیز کو روا نہیں رکھ سکتا جو انسانی فطرت کے خلاف ہو۔ اس لئے اس نے سب سے پہلے تو شخصی حکومت کا خاتمہ کیا اور اس کی بجائے ایسے جمہوری طرز حکومت کی بنیاد ڈالی جو فی الحقیقت اور صحیح معنوں میں جمہوری طرز تھا۔ اس نے ایک فرد واحد کو امیر جماعت یا حکمران مقرر ضرور کیا لیکن صرف اسی صورت میں کہ جب اسے تمام جماعت نے خود ہی منتخب کر کے اپنا سردار بنایا ہو۔ اس کے بعد اس نے فرقہ نسواں کی حالت زار کی طرف توجہ کی اور سوسائٹی میں انکا اپنا ایک درجہ اور ایک مستقل حیثیت قائم کر کے انہیں مردوں کی غلامی سے نجات دلائی۔ ہزاروں اور لاکھوں غلاموں کو اس طرح نجات دلانے کے بعد اسلام نے ان معدودے چند بدنصیبوں کی بھی دستگیری کی جو روپے کے بدلے میں خرید کر یا لڑائیوں میں گرفتار کر کے غلام بنائے گئے تھے۔ ان میں سے کبھی روپے کے بدلے میں انسانوں کے بیچے جانے کی تو اسلام نے ممانعت کر دی اور صرف ان گنتی کے دس بیس پچاس آدمیوں کی حیثیت غلامی کی تسلیم کی جو میدان جنگ میں گرفتار کیئے گئے ہوں اور ان کے ساتھ جس قسم کے برتاؤ کا اپنے پیروؤں کو حکم دیا اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلام کسی صورت اور کسی حالت میں بھی اس کا روادار نہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کی غلامی کرے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث منقول ہے کہ۔ قال اللہ تعالے ثلثة انا خصمهم يوم القيمة رجل اعطى بي ثم غدر و رجل باع حرا ثم اكل ثمنه و رجل استأجر اجيرا

فاستوفی منہ العمل ولم یوفہ اجرہٗ -
یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تین شخص ہیں جنکا قیامت کے دن میں دشمن ہوں گا. ایک وہ جس نے مجھے ضامن دیا اور پھر دغا کی. دوسرا وہ جس نے کسی آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ جس نے کسی مزدور سے مزدوری ٹھہرا کر کام تو پورا لے لیا اور اس کی اجرت پوری نہ دی۔

اس حدیث سے بہ آسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اسلام کسی آزاد انسان کے بیچے جانے کو جائز قرار نہیں دیتا اور اس کی نگاہ میں ایسا شخص غلام نہیں ہے جو آزاد تھا اور اب کسی نے اسے پکڑ کر کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ آزاد انسانوں کی تجارت کو ممنوع، عورتوں کی غلامانہ حالت اور حیثیت کو ناجائز اور شخصی حکمرانوں کی حکومت کو نا قابل تسلیم قرار دینے کے بعد صرف وہ چند انسان غلامی کی حیثیت میں باقی رہ گئے جو اسلام سے پیشتر بیچے اور خریدے جا چکے تھے یا پھر وہ جو بحالت جنگ گرفتار کئے جائیں۔ جنگ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ جو روز روز ہوا کرے اور لوگ غلام بنتے رہیں اور غلاموں کی موجودہ جماعت بھی دس بیس پچاس برس کی اس دنیا میں مہمان تھی اس لئے اسلام نے ایسا امتناعی حکم صادر کرنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی کہ جس کی رو سے اس قسم کی غلامی بھی فوراً ختم ہو جائے۔ بلکہ بجائے اس کے دوسرے طریقوں پر غلاموں کی حیثیت اور حالت کی درستی کی کوشش کی۔ خدائے پاک کی طرف سے مسلمانوں کو حکم ملا کہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى

الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ۔

یعنی نیکی یہ نہیں ہے کہ تم پورب یا پچھم کی طرف کو منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ بلکہ نیکی تو وہ ہے کہ جو کوئی خدا پر روز قیامت پر فرشتوں پر خدا کی کتاب پر اور خدا کے نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں اپنا مال غریب رشتہ داروں کو یتیموں کو مسکینوں کو اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دے اور لوگوں کی گردنیں غلامی سے چھڑائے گویا خدائے پاک کے نزدیک انسان کے جو کام حقیقی نیکی میں داخل ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غلاموں کو آزاد کیا اور کرایا جائے اسلام نے صرف اس غرض سے کہ غلاموں کی جو تعداد موجود ہے اس میں جلد سے جلد کمی آجائے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ بہت سے گناہوں کا کفارہ یہ مقرر کر دیا کہ ایک غلام آزاد کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ

یعنی مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ تمہاری قسموں میں سے جو لغو اور بے معنی ہیں ان پر تو خدا تم سے کچھ مواخذہ نہیں کرتا لیکن اگر تم پکی قسم کھا لو اور پھر اس کے خلاف کرو تو خدا تم سے اس کا مواخذہ کرے گا اور اس قصور کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑے بنا دینا یا ایک غلام کو آزاد کر دینا۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ بھی غلام کے آزاد کرنے کو ایک گناہ کا کفارہ بتایا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ط

یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں یعنی اُن سے کہہ دیتے ہیں کہ تو میری ماں کی جگہ ہے اور جدا ہو جاتے ہیں وہ اگر پھر لوٹ کر وہی کام کرنا چاہیں یعنی بیوی کو بیوی بنا لینا چاہیں تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا لازم ہے۔

غلاموں کو آزاد کرانے کے یہ راستے نکالنے کے علاوہ مسلمانوں کو اس بات کی بھی انتہائی تاکید کی گئی تھی کہ وہ کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ بالکل مساویانہ برتاؤ کریں اور اُن کی پرورش اسی طرح کریں جس طرح اپنے بچوں کی کرتے تھے۔

حکم ملا تھا کہ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط یعنی اے مسلمانو اپنی بیواؤں کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں و کنیزوں میں سے اُنکے جو نیک ہوں۔ اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیگا۔

مطلب یہ ہے کہ لونڈی غلاموں کو بھیڑ بکری نہ سمجھ لیا جائے اور یہ نہ ہو کہ ان سے اپنے کام تو خوب اچھی طرح کرالئے جائیں اور اُن کی ضرورتوں اور خواہشوں کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔ اسلام سے قبل کنیزوں سے یہ کام بھی لیا جاتا تھا کہ اُنکے آقا انہیں حرام کاری پر مجبور کرتے تھے اور اسے ایک ذریعہ آمدنی بنا رکھا تھا۔ اسلام نے اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ

إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط

یعنی لوگو تمہاری کنیز یں جو پاکدامن رہنا چاہیں انہیں حرام کاری پر دنیاوی زندگی کے عارضی فائدہ کے لئے مجبور نہ کرو۔ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کا خیال اس طرف منتقل ہو کہ اگر کنیز پاکدامن نہ رہنا چاہے تو اس صورت میں اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اسے حرام کاری پر مجبور کیا جائے۔ لیکن یہ صرف ایک لفظی دھوکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کنیز پاکدامن رہنا نہیں چاہتی وہ تو خود ہی حرام کاری پر رضامند ہے اسے مجبور کرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے مجبور کرنے کی ضرورت تو صرف انہی کنیزوں کے پیش آئے گی جو پاکدامن ہوں اس لیئے ممانعت بھی انہی کو مجبور کرنے سے کی گئی ہے۔

غلاموں کے آزاد ہونے میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیئے اسلام نے مکاتبت کا بھی حکم دیا ہے۔ مکاتبت سے مراد یہ ہے کہ غلام اپنے مالک سے ایک رقم مقرر کر لے کہ اتنا روپیہ لیکر تم مجھے آزاد کر دینا اور پھر محنت مزدوری کر کے وہ مقررہ رقم ادا کر دے۔ خدائے پاک کا حکم ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا صلے وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ۔

یعنی تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت کرنا چاہیں تم اُن کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو۔ اگر تم ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور خدا کے مال میں سے جو اُسنے تمہیں دے رکھا ہے اُن کو بھی دو۔ گویا مقصد یہ ہے کہ جو اچھے خاصے انسان اتفاقات کی بدولت ہماری غلامی میں آگئے ہیں اُنہیں غلام رکھکر اُن کی زندگی کو تباہ نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اگر اُن میں ہمیں ایسی قابلیت اور استعداد نظر آئے کہ وہ اپنی زندگی اچھی طرح گذار سکتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ آزاد ہونے میں اُنکی مدد کریں

طور پر مدد کریں اور یہی نہیں کہ کچھ روپیہ لیکر اُنہیں آزاد کردیں بلکہ اپنے پاس سے اُنہیں کچھ روپیہ دینا بھی چاہیئے تاکہ وہ اپنی آزاد زندگی اچھی طرح شروع کرسکیں اور بہ آسانی کامیاب ہو جائیں۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ غلاموں، یتیموں، بیواؤں اور عورتوں کے ساتھ ہمدردی تھی۔ غلاموں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے متعلق آپ کے بہت سے احکام ہیں۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا انبئکم بشرارکم الذی یاکل وحدہ ویجلد عبدہ ویمنع رفدہ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! میں تمہیں بتادوں کہ تم میں بدترین شخص کون ہے، وہ جو تنہا کھاتا ہو اور اپنے غلام کے کوڑے مارتا ہو اور اپنی بخشش اس سے روک لیتا ہو یعنی اسے کچھ نہیں دیتا ہے

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھم اخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن جعل اللہ اخاہ تحت یدیہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا یکلفہ من العمل ما یغلبہ فان کلفہ ما یغلبہ فلیعنہ علیہ (بخاری مسلم)

یعنی ابوذر سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لونڈی غلام تمہارے بھائی بہن ہیں جنہیں خدا نے تمہارا زیر دست کردیا ہے تو جس شخص کے بھائی بہن کو خدا اس کا زیر دست کردے تو اُسے وہی کھانا کھلائے جو خود کھائے اور وہی کپڑا پہنائے جو خود پہنتا ہے اور اس سے کوئی ایسا کام نہ کرائے جو اس سے کیا نہ جاسکے اور اگر کبھی اس سے ایسا کام لے بھی کہ جو اس کی طاقت

سے باہر ہے تو اُسے اس کام میں خود مدد دے۔

عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث من کن فیہ یسر اللہ حتفہ وادخلہ جنتہ رفق بالضعیف و شفقہ علی الوالدین واحسان الی المملوک

یعنی حضرت جابر نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ جس میں یہ تین باتیں ہوتی ہیں اس کی موت خدا آسان کر دیتا ہے اور اُسے اپنی جنت میں داخل کرے گا۔ کمزوروں کے ساتھ نرمی کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی اور مہربانی سے پیش آنا اور لونڈی غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ عن رافع بن مکیث ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال حسن الملکۃ یمن وسوء الخلق شوم۔ یعنی رافع بن مکیث سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لونڈی غلاموں کے ساتھ اچھے خلق سے برتاؤ کرنا برکت کا موجب ہے اور برائی سے پیش آنا بے برکتی کا باعث۔

اسلام سے پیشتر عرب میں اور ایک عرب پر کیا منحصر ہے دنیا بھر میں غلاموں کو مارنے پیٹنے کا عام رواج تھا اور بات بات پر مغلوب الغیظ آقا اپنے لونڈی غلاموں کو روئی کی طرح دُھن کر رکھدیتے تھے۔ اسلام نے بڑی سختی کے ساتھ اس کی ممانعت کی چنانچہ حدیث ہے۔ عن ابن مسعود الانصاری قال کنت اضرب غلاما لی فسمعت من خلفی صوتا اعلم یا مسعود اللہ اقدر علیک فالتفت فاذا ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ھو حر لوجہ اللہ فقال اما لو لم تفعل للفحتک النار (مسلم)

یعنی ابومسعود انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے یہ آواز آئی کہ اے ابومسعود جان کہ خدا تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ میں نے منہ پھیر کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے جلدی سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اس غلام کو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آزاد کیا فرمایا کہ اگر تو ایسا نہ کرتا تو دوزخ کی آگ تجھے جھلس دیتی۔

غلاموں کے قصور اور خطائیں معاف کرنے کے متعلق بھی رسول پاک کا ارشاد موجود ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر رض قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ کم تعفو عن الخادم فسکت ثم اعاد علیہ الکلام فصمت فلما کانت الثالثۃ قال اعفوا عنہ کل یوم سبعین مرۃ (ترمذی۔ ابوداؤد)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنے خادموں کے قصور کتنی مرتبہ معاف کر دیا کریں۔ آپ خاموش رہے اس نے پھر اسی سوال کو دہرایا۔ آپ پھر بھی چپ رہے، جب اس نے تیسری مرتبہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہر روز ستر مرتبہ معاف کیا کرو۔

آزاد انسان کا بیچا جانا اسلام کے احکام کی رو سے قطعیً ممنوع قرار پا گیا جو غلام پہلے سے موجود تھے انہیں آزاد کرانے کے لئے طرح طرح کے راستے نکال دیئے گئے یعنی بعض کو گناہوں کے کفارہ میں آزادی دلائی گئی اور بعض کو یہ کہکر کہ غلام کا آزاد کرانا ایک نیکی ہے اور تمام کے تمام کے آزاد ہونے تک ان کے ساتھ بالکل بھائیوں کا سا برتاؤ کرنے کا حکم دیدیا گیا اور پھر خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے ساتھ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کی شادی کر کے مسلمانوں

کو عملاً بھی سبق دیدیا کہ اتفاقات اگر کسی شخص کو غلام بنا دیتے ہیں تو اس سے اس کے شرف انسانیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور یہ سب کچھ کرنے اور دنیا سے بادشاہوں کی غلامی، خاوندوں کی غلامی غرضکہ ہر قسم کی غلامی مٹا دینے کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہی کہنا چاہتا ہے کہ اسلام غلامی کا حامی ہے تو اب اس کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے کہ ہم بیٹھکر سچے دل سے اس کی عقل کا ماتم کریں۔

قوم کے بچوں یعنی یتیموں کے ساتھ برتاؤ

کوئی قوم یا اس کی قومی زندگی موجودہ نسل پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اس لئے اگر اپنی قوم کو زندہ اور برسر ترقی رکھنا مقصود ہے تو ضروری ہے کہ ہم سب سے زیادہ قوم کے بچوں کی طرف توجہ کریں اور جہانتک ممکن ہو انہیں اپنے سے بہتر بنا دیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ کل کو ہماری جگہ یہی بچے لیں گے اور انہی کا نام قوم ہوگا۔ ہر زندہ قوم آج یہی کر رہی ہے کہ اپنے بچوں کو علم و ہنر سکھانے اور انہیں اچھے انسان بنانے پر قوم کا ایک بڑا سرمایہ صرف کیا جاتا ہے اور انہیں تعلیم دلا کر بہتر سے بہتر انسان بنا دینے کی کوشش کی جاتی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ ہمارے بعد ہماری نسل ترقی کی بجائے تنزل کریگی اور دنیا میں ہم نے اور ہمارے آباؤ اجداد نے اپنی کوشش اور محنت سے جو جگہ حاصل کرلی تھی اُسے کھو دیگی۔ یہ بات اسلام کے پیش نظر تھی اور ساتھ ہی یہ بات بھی کہ انفرادی طور پر اپنے اپنے بچوں سے چونکہ سب کو محبت ہوتی ہے اس لئے انہیں تو سب خوب کھلاتے پلاتے بھی ہیں اور جہانتک بن پڑتا ہے پڑھا لکھا بھی دیتے ہیں لیکن پرائے بچوں کی طرف کوئی زیادہ التفات نہیں کرتا۔ اس لئے بالعموم یتیم بچے بہت ہی خراب حالات میں پرورش پاتے ہیں اور اکثر جاہل مطلق رہ جاتے ہیں جو بچے ہمیں آج لاوارث اور یتیم نظر آرہے ہیں کل تک اُن کے بھی والدین موجود تھے

اور تھے بھی ہماری ہی قوم میں سے۔ پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ محض اس سوء اتفاق کی بنا پر کہ اُن کے والدین کا انتقال ہو گیا ہے اب ہم انہیں کس مپرسی اور بیکسی کی حالت میں چھوڑ دیں اور تباہ و خراب ہونے دیں۔ اگر فاقہ کشی اور افلاس کی بدولت یہ بچے مر جاتے ہیں تب بھی قوم ہی کا نقصان ہوتا ہے اور اگر وہ آوارہ جاہل اور بداطوار بن کر بڑے ہوتے ہیں تب بھی قوم ہی کا نقصان ہے اس لئے قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہر یتیم بچے کے حال پر نگاہ رکھے اور جن بچوں کی پرورش کرنے والا کوئی نہ ہو اُن کی نہایت اچھے اور مناسب طریقے پر پرورش کرے تاکہ قوم کے ہونہار فرزند بے وجہ و بے سبب مرنے یا بگڑنے نہ پائیں۔

بدنصیبی سے مسلمانوں نے جس طرح اسلام کے اور تمام احکام سے بے پرواہی برتنی شروع کر دی ہے اسی طرح قوم کے یتیموں کو بھی کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا ہے اور آج ایسی ہزار ہا مثالیں موجود ہیں کہ اچھے خاصے کھاتے پیتے شریف ماں باپ کے بچے جو کل تک بڑے ناز و نعم میں پرورش پا رہے تھے آج بھیک کے ٹکڑوں سے اپنا گزارہ کرنے پر مجبور ہیں۔ ان بھیک مانگنے والے یتیموں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے ہونہار اور لائق بچوں کی بھی ہوتی ہے جنہیں اگر معقول تعلیم اور تربیت میسر آ جاتی تو وہ قوم کے لئے مایۂ ناز بن جاتے۔ لیکن صرف ذرا سی قوم کی بے توجہی کی بدولت وہ ایک گداگر یا ایک چور کے درجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتے۔

مسلمانوں میں آج ایسے خبیث اور ناپاک لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو اگر اپنے کسی رشتہ دار کے بچے کے ولی اور سرپرست بن جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس کے مال اور اس کی جائداد کی اچھی طرح حفاظت کریں اور اس یتیم کو عمدہ تربیت اور مناسب تعلیم دلائیں خود ہی اس کا مال کھا جاتے ہیں اور اس کی

جائداد پر قبضہ جما لیتے ہیں۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر ظلم کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک چچا یا ایک ماموں اپنے سگے بھتیجے یا بھانجے کی تمام جائداد اس کی نابالغی کے زمانہ میں کھا اڑا کر برباد کر دے اور اسے بھی اس قابل نہ بنائے کہ جوان ہونے پر وہ عزت اور آبرو کے ساتھ اپنی روزی کسی حلال طریقہ سے کما لیا کرے۔ غریب اور بیکس یتیموں کی یہ تمام مصیبتیں اسلام کے پیش نگاہ تھیں اسی لئے اس نے ان کے متعلق مسلمانوں کو بہت سخت احکام دیئے ہیں۔ کلام مجید میں تقریباً ہر جگہ جہاں ماں باپ اور فقیر و مسکین لوگوں کی امداد کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے وہاں یتیموں کو بھی ساتھ میں ضرور شامل کر لیا گیا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ ط یعنی اے لوگو صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّہُمْ خَیْرٌ ط وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَاَعْنَتَکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ یعنی اے پیغمبر! لوگ تم سے یتیموں کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو اُن سے کہہ دو کہ جس بات میں ان یتیموں کی بہتری ہو وہی بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں کوئی غیر نہیں ہیں اور اللہ بگاڑنے والوں کو سنوارنے والے سے الگ پہچانتا ہے اور اگر خدا چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔ بیشک اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

بھوکے یتیموں کو کھانا کھلانے کے متعلق کلام الٰہی میں جابجا تاکید آئی ہے

اور اس طرح یتیموں کی مدد کرنے کو نیکی قرار دیا گیا ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے
کہ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝
یعنی وہ لوگ نیک و نیکوکار ہیں جو اللہ کی محبت میں محتاج اور یتیم اور
قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

یتیموں کے مال کے متعلق بہت ہی سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ کوئی اسے
اپنے صرف میں نہ لائے اور اگر استعمال کرے تو صرف ایسے کاموں میں کہ جن میں
خود یتیم کا فائدہ ہو چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ
وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ص وَلَا تَاْکُلُوْٓا
اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا ۝
یعنی اے مسلمانو! یتیموں کے مال اُن کے حوالے کرو اور طیب مال کے بدلے حرام
مال نہ لو (یعنی اپنا خراب مال دیکر یتیموں کا اچھا مال نہ لو جیسا کہ لوگ اکثر کیا کرتے تھے)
اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر خورد برد نہ کرو کیونکہ یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

ایک اور آیت ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا
اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا ط وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝
یعنی جو لوگ ناجائز طور پر یتیموں کے مال کو خورد برد کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے
بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں پڑیں گے۔

ایک اور مقام پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ
اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ ج وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَ
الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ج یعنی اے لوگو یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا سوائے
ایسی صورت کے کہ وہ اس کے حق میں بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر
کو پہنچے، اور انصاف کے ساتھ ناپ تول پوری کرو۔

یتیموں کے مال کے متعلق ایک حکم یہ بھی ہے کہ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۝

یعنی مال جس کو خدا نے تمہارے لئے ایک طرح کا سہارا بنایا ہے ان یتیموں کے حوالے نہ کرو جو کم عقل ہوں۔ اس میں سے اُن کے کھانے پہننے پر صرف کرو اور انکو نرمی سے سمجھا دو کہ یہ تمہارا ہی مال ہے اور ہم جو اس کی حفاظت کرتے ہیں تو تمہارے ہی فائدہ کے لئے کرتے ہیں اور یتیموں کو دنیا کے کاروبار میں لگائے رکھو یہانتک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اس وقت اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ تم ایسا نہ کرنا کہ ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے جلدی جلدی اُن کا سب مال فضول خرچ کر ڈالو اور اُن کا مال کھا پی جاؤ۔ اور جو ولی یا سرپرست مالدار ہو اُسے یتیم کا مال لینے اور پر خرچ کرنے سے بچنا چاہیئے اور جو فقیر ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ دستور کے مطابق بقدر ضرورت اس میں سے کھا لے اور جب اُن کے مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو گواہ بنا لو۔ ورنہ حساب لینے کو تو حقیقت میں اللہ بس ہے۔

یتیم لڑکوں کی بہ نسبت یتیم لڑکیوں کی مٹی اور بھی زیادہ پلید ہوا کرتی تھی اور وہ لوگ ان کے حسن کی وجہ سے یا اُن کی جائداد وغیرہ کی وجہ سے ان کے

ساتھ نکاح تو کر لیتے تھے لیکن نکاح کے بعد اُن کے حقوق انکو بالکل نہ دیتے تھے۔ کیونکہ اُن کا کوئی والی وارث ہوتا نہ تھا کہ انہیں ان کے حقوق دلانے کی کوشش کرتا۔ اسلام کی دور بین نگاہ سے یہ چیز بھی پوشیدہ نہ رہی اور خدائے پاک نے اس کے متعلق بھی خاص طور پر حکم نازل فرما دیا۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ۔

یعنی اے پیغمبر لوگ تم سے یتیم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم مانگتے ہیں تو تم انہیں سمجھا دو کہ اللہ تمہیں ان سے نکاح کی اجازت دیتا ہے اور پہلے جو حکم قرآن میں تمہیں سنایا جا چکا ہے تو وہ در اصل ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جن کو تم اُن کا حق جو ان کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے نہیں دیتے اور اس کے باوجود اُن کے ساتھ نکاح کرنے پر مائل ہو۔ اور نیز خدا بے بس بچوں کے بارے میں بھی حکم دیتا ہے کہ اُنکے حقوق کی حفاظت کرو۔ اور خاصکر یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔ اور یتیموں کے ساتھ تم جو کچھ نیکی بھی کرو گے تو اللہ اُسے جانتا ہے۔

جب خدا کی طرف سے یتیموں کی پرورش کے متعلق ایسے سخت احکام نازل ہوئے تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق تاکید نہ فرماتے۔ چنانچہ آپ کی بھی متعدد حدیثیں اس بارے میں موجود ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یحسن الیہ وشر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یساء الیہ۔

یعنی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر گھروہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو، اور مسلمانوں میں سب سے بُرا گھروہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔

عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مسح راس یتیم لم یمسحہ الا اللہ کان لہ بکل شعرۃ تمر علیہا یدہ حسنات۔

یعنی حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مہربانی سے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے اور سوائے خدا کی رضامندی کے اور کسی غرض سے ہاتھ نہیں پھیرتا اُسے ہر بال کے عوض جس پر اس کا ہاتھ گذرے نیکیاں ملتی ہیں۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من آوی یتیما الی طعامہ وشرابہ اوجب اللہ لہ الجنۃ البتۃ الا ان یعمل ذنبا لا یغفر الخ

یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شریک کرے گا خدا اسکے لئے جنت واجب کر دے گا، بشرطیکہ کسی ایسے گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو کہ جس کی بخشش ہی نہیں ہوتی۔ الخ

عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من احسن الی یتیمۃ او یتیم عندہ کنت انا وھو فی الجنۃ کھاتین وقرن بین اصبعیہ (رزین)

حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس یتیم لڑکی یا لڑکے سے اچھا سلوک کریگا جو اس کے پاس اس کی نگرانی میں ہیں اور وہ جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے کہ جیسے یہ دونوں انگلیاں اور آپ نے بیچ کی اور کلمہ کی انگلیوں کو ملا کر لوگوں کو دکھایا۔

عام اغیار کے ساتھ برتاؤ

قوم کے یتیموں کے علاوہ اجتماعی زندگی میں انسان کو اور جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے وہ تین جماعتوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں ایک تو وہ کہ جن سے ہمیں اس کے سوا اور کسی قسم کا کوئی تعلق نہ ہو کہ وہ بھی ہماری ہی طرح اسی ملک کے یا اسی دنیا کے رہنے بسنے والے ہیں، ایک وہ کہ جن سے ہمارے تعلقات دوستی اور محبت کے ہوں اور ایک وہ کہ جنہیں ہم سے عداوت ہے اور جو ہمارے دشمن ہیں۔

جن لوگوں سے ہمارا ہموطنی کے سوا اور کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں ہے ان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ انہی میں سے ہم بعض کو اپنا دوست اور بعض کو اپنا دشمن بنا سکتے ہیں اور اُن کا دوست یا دشمن بنجانا تمام تر ہمارے اس برتاؤ پر منحصر ہے کہ جو ہم اُن کے ساتھ کریں۔ موجودہ مغربی تمدن ہمیں یہ اصول سکھاتا ہے کہ ہم بہر حالت وبہر صورت اپنے ذاتی آرام اپنے ذاتی عیش اور اپنے ذاتی نفع کو مقدم خیال کریں اور جہانتک ممکن ہو صرف اس بات کا

خیال رکھیں کہ اپنی ذات کے لئے عیش و آرام مہیا کرنے کی خاطر ہم دوسروں کے عیش کو برباد نہ کریں۔ لیکن زبان سے اس اصول کو بار بار دہراتے رہنے کے باوجود عملاً اہل مغرب جو کچھ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کی خاطر تمام دنیا کے حقوق پامال کر دینے میں بھی تامل نہیں کرتے اور اگر پچاس غریبوں کی جھونپڑیاں اُجیڑ کر ایک امیر آدمی کا محل تعمیر ہو سکے تو اسے بالکل جائز سمجھ لیا جاتا ہے۔ اہل مغرب بھی دوسروں کے حقوق کا احترام کرتے ہیں، لیکن صرف اُنہی دوسروں کے حقوق کا کہ جو انہی کی طرح یا ان سے بھی زیادہ صاحب طاقت ہوں اور جنہیں اپنے حقوق کی اچھی طرح حفاظت کرنی آتی ہو۔ جو کمزور اور غریب الّسان اتنی استطاعت نہ رکھتا ہو کہ اپنے حقوق کو پامال سے بچا لے اس کا کوئی حق ایک مغربی "انصاف دوست" اور "حق پسند" انسان کے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"، پر جس قدر ایماندارانہ پابندی کے ساتھ مغربی ممالک میں عملدرآمد ہوتا ہے ویسا کہیں دنیا میں نہیں ہوتا۔ انہی غیر منصفانہ اور ظالمانہ سلوکوں کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ میں انتہائی بے چینی اور بے اطمینانی پائی جاتی ہے اور ظالم و مظلوم کی جنگ بہت سے مختلف ناموں سے شروع ہو گئی ہے۔ محکوم حاکموں سے تنگ آ چکے ہیں۔ کالے اور رنگ دار انسان گوروں کے ہاتھوں نالاں ہیں۔ اور مزدوروں کی زندگی سرمایہ داروں کے مظالم نے دوبھر کر رکھی ہے۔ آئے دن مزدوروں کی ہڑتالیں ہوتی ہیں۔ روزمرہ محکوموں کے بے طاقت لیکن نفرت آمیز مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ اور شب و روز رنگین اقوام کے درد بھرے نالے آسمان کی خبر لاتے ہیں۔ اپنی قوم اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہر قسم کے دغا، فریب، جھوٹ اور ظلم کو مغربی سیاست جائز خیال کرتی ہے اور سلطنت کے ایسے وزرا اور ارکان بہت ہی

"دور اندیش" اور بڑے "مدبر" کہلاتے ہیں۔ جو کسی نہ کسی طرح اپنی چالبازیوں سے کسی دوسری قوم کو نقصان پہنچا کر اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے کچھ حاصل کر لیں قانون اور انصاف کا ہر وقت وظیفہ پڑھنے والے اہل مغرب صرف اسی وقت تک قانون کی پابندی ضروری خیال کرتے ہیں کہ جب تک واسطہ صرف اپنی قوم سے ہو۔ لیکن اگر معاملہ ایک مغربی اور ایک مشرقی کے مابین ہو تو مغربی انصاف ہمیشہ اپنے ہی موافق فیصلہ کیا کرتا ہے خواہ اس سے اس مشرقی کو کتنا ہی بڑا نقصان کیوں نہ پہنچ جائے اور ہمیشہ ایک سفید رنگ والے ہی کی حمایت کی جاتی ہے خواہ اس سے رنگین قوم کے لوگوں پر کیسا ہی سخت ظلم کیوں نہ ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ ایسی نامنصفانہ سیاست کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی اور جلد یا بدیر اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مظلوم فرقہ جب مظالم سہتے سہتے تنگ آ جاتا ہے تو وہ بھی مدافعت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد برپا ہوتا رہتا ہے۔ اسلام کا چونکہ مقصد ہی یہ ہے کہ تمام دنیا کو ایسے طریقے سکھا دے کہ جن پر عمل کر کے انسان خدا کی زمین پر امن قائم رکھ سکے اس لئے وہ کسی حالت اور کسی صورت میں بھی ظلم اور ناانصافی کی اجازت نہیں دیتا اور نہایت ہی صاف اور واضح الفاظ میں اپنے پیروؤں کو حکم دیتا ہے کہ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝

یعنی اے ایمان والو مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور خدا لگتی گواہی

وہ اگرچہ یہ گواہی تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں ہی کے خلاف کیوں نہ پڑے۔ اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ سب سے بڑھ کر اُن کی پرداخت کرنے والا ہے تم انکی خاطر اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق ہی سے انحراف کرنے لگو، اور اگر دبی زبان سے گواہی دوگے یا گواہی دینے ہی سے پہلو تہی کروگے تو جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ باخبر اور آگاہ ہے۔

مسلمانوں کو نہایت ہی صاف اور واضح الفاظ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی تمام دنیا کے انسان ایک ہی کنبہ اور ایک ہی برادری ہیں، اور یہ بھی سُنا دیا گیا ہے کہ باقی تمام دنیا میں ایک مسلم کی کیا حیثیت اور کیا درجہ ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

یعنی تم لوگ (مسلمان) باقی سب لوگوں کے لئے ایک بہترین قوم کی حیثیت سے صفحۂ ہستی پر لائے گئے ہو، تم شرع و فطرت کے مطابق لوگوں کو حکم دیتے رہو برائیوں سے منع کرتے رہو اور خدا کی ذات و صفات پر کامل یقین رکھو۔

آج اگر مسلمانوں نے اپنی اس ممتاز حیثیت کو کھو دیا ہے، اور دوسرے انسانوں کے لئے بہترین قوم نہیں رہے ہیں تو یہ مسلمانوں کا اپنا قصور ہے اور اپنے تنزل اور تباہی کے لئے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ جو کچھ انہیں اسلام نے سکھایا تھا اور جس راستہ پر انہیں چلانا چاہا تھا اگر وہ اسی پر گامزن رہتے تو یقیناً آج بھی وہ باقی تمام دنیا کے لئے نمونہ اور تمام دوسری اقوام عالم پر فائق ہوتے۔ مسلمانوں سے تو وعدہ ہو چکا تھا کہ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

یعنی تم اندیشہ نہ کرو اور حزن و ملال کو اپنے دل میں راہ نہ دو کیونکہ اگر تم

ایماندار رہے اور خدا پر کامل یقین رکھا تو تمہیں سب پر فائق ہوگے۔

ہمارے ایمانوں میں کمزوری آئی۔ ہمارے اعتقادات متنزلزل ہوئے اور ہم نے نیکی ایمانداری، سچائی اور انصاف کا وہ سیدھا راستہ چھوڑ دیا جو ہمیں بتا دیا گیا تھا، اور اسی کا نتیجہ ہم آج یہ دیکھ رہے ہیں کہ اب ہم سے زیادہ ذلیل اور خوار اور ہم سے بڑھ کر غریق ادبار دنیا کی کوئی اور قوم نظر نہیں آتی۔

مسلمانوں کو ایک نہایت ہی سیدھا سادہ اصول بتا دیا گیا ہے اور اسی اصول کے مطابق وہ یار و اغیار اور اپنے پرائے سب سے برتاؤ کر سکتے ہیں۔ وہ اصول یہ ہے کہ

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

یعنی تم نیکی کے کاموں میں اور پرہیزگاری میں تو سب کے ساتھ شریک ہو اور سب کی مدد کرو۔ لیکن بدکاری اور ظلم کے کاموں میں ہرگز ہرگز شرکت کرو اور مدد نہ دو۔

اس حکم میں اپنے اور پرائے کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور گورے مسلمانوں کو کالے مسلمانوں یا عیسائیوں وغیرہ سے اور ترکوں کو ایرانیوں سے یا چینیوں کو افغانیوں سے پرہیز کرنے کی ہدایت نہیں کی گئی ہے، اور نہ دولتمندوں کو مفلسوں سے الگ رہنے اور انہیں حقیر سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ ہر شخص کو بدکاری اور ظلم سے نفرت کرنے اور اس سے علیحدہ رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ خواہ یہ ظلم اور بدکاری گوروں میں ہو یا کالوں میں اور غیروں میں ہو یا آپس والوں میں۔ ایک مسلمان کسی عیسائی، یہودی، مجوسی، ہندو یا سکھ سے محض اس لئے نفرت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا ہم مذہب اور ہم مشرب نہیں ہے۔ لیکن وہ احکام الٰہی کی رو سے اس بات پر مجبور ہے کہ ایک مسلمان سے اور ایک مسلمان سے کیا معنی خود اپنے سگے بھائی سے بھی نفرت اور پرہیز کرے اگر وہ بدکار اور ظالم ہو۔

نیکی اور انصاف پر قائم رہنے کی یہ عام ہدایت دینے کے بعد اسلام نے اپنے پیرؤوں کو مختلف باتوں اور کاموں کے متعلق الگ الگ ہدایتیں بھی دی ہیں۔ تمام ایسی باتوں سے سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا ہے، جن سے دوسروں کے حقوق پامال ہوں اور اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد کے اسباب پیدا ہو جائیں۔ دنیا میں زر، زن، اور زمین کو تمام فتنہ و فساد کی جڑ کہا جاتا ہے اور ایک بہت بڑی حد تک یہ ہے بھی بالکل صحیح۔ اسلام کی دور رس نگاہوں نے فساد کے ان تینوں سببوں کو دیکھ لیا اور ان کے متعلق ایسے اچھے اور اس قدر معقول قوانین بتا دیئے کہ اگر ان کی پابندی کی جائے تو لڑائی اور جھگڑے کی کبھی نوبت نہیں آ سکتی۔

ہم دوسروں کا روپیہ یا تو اپنی محنت اور چیزوں کے بدلے میں لے سکتے ہیں یا اس طرح لے سکتے ہیں کہ اپنی طرف سے انہیں بدلے میں کوئی چیز نہ دیں۔ اگر ہم نے کسی کے روپیہ کے معاوضہ میں اپنی کوئی چیز خواہ وہ ہماری محنت ہو یا ہمارا مال، دیدی ہو تو اس میں لڑائی جھگڑے کا اندیشہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم دوسرے کا روپیہ تو زیادہ مقدار میں لے لیں اور اپنی طرف سے اس کا معاوضہ کم دینا چاہیں، ورنہ حقیقتاً فساد کے امکانات صرف اسی حالت میں پیدا ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں کہ جب ہم دوسروں کے روپیے پر یا اسباب اور جائداد پر معاوضہ دیئے بغیر قبضہ کر لیں۔ اسلام نے دونوں صورتوں کا سدباب کر دیا ہے۔

لین دین کی تین ہی صورتیں ہوتی ہیں یا تو یہ کہ ہمارے پاس روپیہ ہو اور دوسرے شخص کے پاس مال اور اسباب اور ہم اس سے بھاؤ ٹھہرا کر اسکی چیزیں خرید لیں یا کوئی شخص مزدور ہو اور ہم اس سے اجرت ٹھہرا کر اپنا کوئی کام لیں اور یا ہم اپنا روپیہ کسی شخص کو قرض دیں اور وہ کچھ عرصہ کے بعد اسے واپس کر دے۔ بھاؤ

طے پا جانے کے بعد چیزیں عام طور پر یا تو ناپ کر دیجاتی ہیں یا تول کر اور ناپ تول کے متعلق مسلمانوں کو درگاہ باری تعالیٰ سے جو احکام ملے ہیں وہ یہ ہیں۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ

یعنی اے لوگو یتیم کے مال کو ہاتھ نہ لگانا سوائے ایسی صورت کے کہ جس سے اس کے حق میں بہتری ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پوری عمر کو پہنچ جائے، اور انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی اُنکی امت کو جو حکم دیا گیا تھا اور جو کلام مجید میں بھی اس لئے مذکور ہے کہ اس کی پابندی اب بھی اسی قدر ضروری ہے کہ جیسی جب تھی وہ یہ ہے کہ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝

یعنی اے اہل قوم ناپ اور تول بالکل پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُنکی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور ملک میں فساد پھیلاتے نہ پھرا کرو۔

سورہ رحمان میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے احسانات لوگوں پر شمار کرائے ہیں وہاں اور احسانات کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝

یعنی خدا ہی نے آسمان کو اونچا کیا ہے اور ترازو بنا دی ہے تاکہ تم لوگ تولنے میں بے انصافی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ صحیح تول تولو اور کم نہ تولو۔

ترازو کا ذکر نعمت خداوندی کے طور پر ایک جگہ اور بھی آیا ہے

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ

لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج

یعنی ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دیکر بھیجا اور انکی معرفت کتابیں اتاریں اور ترازو کو رواج دیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہ سکیں۔

جو بے ایمان لوگ ناپ تول میں کمی کیا کرتے ہیں اور اس طرح دھوکے سے دوسروں کا مال ہضم کر جانا چاہتے ہیں ان کے متعلق ارشاد باری ہے کہ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝

یعنی کم دینے والوں کے لئے بڑی تباہی ہو کہ لوگوں سے تو پورا پورا ناپ لیتے ہیں اور جب خود ناپ یا تول کر لوگوں کو دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ناپ تول کی صحت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصحاب الکیل والمیزان انکم قد ولیتم امرین ھلکت فیھما الامم السابقۃ (ترمذی)

یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے جو ناپ تول کر رہے تھے فرمایا کہ تم لوگوں کے متعلق ایسے دو کام کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے پہلی امتیں غارت ہو چکی ہیں۔

التاجر الامین الصدوق مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین (ترمذی)

یعنی جو امین اور راست باز تاجر ہیں وہ حشر کے دن نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی صف میں ہوں گے۔

خرید و فروخت کے متعلق اسلام نے صرف اسی ذرا سی احتیاط پر اکتفا

نہیں کیا ہے کہ لوگوں کو ناپ تول کے متعلق حکم دے دیا جائے بلکہ تمام اس قسم کی خرید
اور فروخت کو ناجائز قرار دے دیا ہے جس میں کسی ایک فریق کو نقصان پہنچنے
کا اندیشہ ہو اور فساد کے امکانات پیدا ہو جائیں یا لوگوں کو محنت کئے بغیر
صرف اپنی ترکیبوں سے، اپنی باتوں سے، اور اپنے روپے سے دولت
کمانے کا موقع مل جائے۔ عام طور پر سرمایہ دار تاجر یا جتھبند کاشتکار
اس کی لگائی ہوئی فصل پکنے سے پیشتر ہی اونے پونے خرید لیتے ہیں۔
اور فصل کی تیاری پر اسے بازار کے بھاؤ بیچکر بہت زیادہ نفع کما لیتے
ہیں اور وہ غریب کاشتکار کہ جس نے اپنا تمام تمام دن چلچلاتی دھوپ میں
گذار کر اور سر کا پسینہ ایڑیوں تک بہا کر غلہ پیدا کیا ہے محض اس سرمایہ دار
کی مداخلت بیجا کی وجہ سے اپنی مشقت کے جائز نفع سے محروم رہ جاتا ہے۔
اس طرح قبل از وقت فصلیں خرید لینے سے ایک اور نقصان تمام قوم کو یہ بھی
پہنچتا ہے کہ دو یا چار یا دس کروڑ پتی ملکر ملک کی تمام پیداوار نہایت سستے
داموں پر خرید لیتے ہیں اور اب چونکہ سارا کا سارا غلہ ان کے اپنے قبضہ میں
ہوتا ہے اس لئے وہ نہایت اطمینان کے ساتھ نرخ مہنگا کر دیتے ہیں۔
اور لوگوں کو محض اس لئے اتنا مہنگا خریدنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ غلہ کے
بغیر زندگی محال ہے۔ اور کسی دوسری جگہ وہ دستیاب نہیں ہوتا۔ سرمایہ داری
کی لعنتوں کو دنیا نے اب محسوس کرنا شروع کیا ہے لیکن اسلام کی اوّل
دن سے اس پر نگاہ تھی اور اس نے ہر ممکن طریقہ سے اپنے پیروؤں کو اس
مصیبت اور اس لعنت سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کے
اسی قسم کے احکام کہ جن کی وجہ سے سرمایہ داری ناممکن ہو گئی ہے دیکھ کر
مسٹر برنارڈ شا کو جو ایک مشہور مصنف ہیں یہ پیشین گوئی کرنی پڑی ہے

کہ آئندہ تمام دنیا کا مذہب اسلام ہی ہوگا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن انس قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الثمار حتی تزھی قیل وما تزھی قال حتی تحمر وقال ارأیت اذا منع اللہ الثمرۃ فبم یاخذ احدکم مال اخیہ وفی روایۃ ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع النخل حتی یزھو وعن السنبل حتی یبیض ویامن العاھۃ نہی البائع والمشتری۔ (بخاری و مسلم)

یعنی حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا جب تک کہ ان میں پختگی کے آثار پیدا نہ ہو جائیں کسی نے کہا کہ حضرت اس کی پختگی کس طرح پہچانی جائے تو آپ نے فرمایا یہاں تک کہ وہ سرخ ہو جائے اور فرمایا کہ بھلا بتاؤ تو کہ اگر خدا پھل کو پکنے اور تیار ہونے سے روک دے تو تم میں کا ایک شخص اپنے بھائی کا مال کس طرح مفت میں لے سکتا ہے۔ حضرت ابن عمر کی روایت میں یوں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درخت کی خرید و فروخت سے منع فرمایا تاوقتیکہ کھجوریں پک کر سرخ نہ ہو جائیں اور کھیتی کی بالوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا یہاں تک کہ سفید نہ پڑ جائیں اور آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں خریدار کو بھی اور بیچنے والے کو بھی۔

تجارت کے متعلق ہر قسم کے دھوکے اور فریب کے مسلوں کو منع کیا گیا ہے اور ایسے کسی مال کے بیچنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ جو خراب ہو بجز اس صورت کے کہ اس کی خرابی کا ذکر خریدنے والے سے کر دیا جائے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی صبرۃ طعام فادخل یدہ فیھا فنالت اصابعہ بللا فقال ماھذا

یا صاحب الطعام قال اصابۃ السماء یا رسول اللہ قال افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس من غش فلیس منی۔ (مسلم)

یعنی حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر غلہ کے ایک انبار پر ہوا آپنے اس میں ہاتھ ڈالکر دیکھا تو آپ کی انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے غلہ والے یہ کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ایسے تو نہیں کیا ہے بلکہ بارش میں بھیگ گیا ہے آپ نے فرمایا کہ ایسا تھا تو تم نے بھیگے ہوئے غلہ کو اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ سب اُسے دیکھ سکتے، جو شخص دھوکا دے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

عن واثلۃ بن الاسقع قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من باع عیبا لم یبنہ لم تزل فی غضب اللہ ولم تزل الملئکۃ تلعنہ (ابن ماجہ) یعنی اسقع کے بیٹے واثلہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جو شخص ناقص اور عیب دار چیز خریدار کے ہاتھ اس کے عیب سے آگاہ کیے بغیر بیچیگا وہ ہمیشہ غضب الٰہی میں گرفتار رہیگا اور فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کریں گے۔

غلہ کو خرید کر جمع کرلینے اور روک کر مہنگے داموں پر بیچنے کے متعلق حدیث ہے کہ من احتکر فھو خاطی (مسلم) یعنی جس نے اس نیت سے غلہ جمع کرکے روک لیا کہ نرخ بڑھنے پر فروخت کرے گا وہ گناہگار ہے۔

تجارت میں کبھی کبھی یہ چیز بھی فتنہ وفساد کا باعث ہوسکتی ہے کہ ایک شخص نے ایک چیز کے دام ٹھہرا کر اس کی خریداری کے متعلق بات چیت کرلی اور دوسرا شخص آیا اور اس کی خریداری پر آمادگی ظاہر کرنے لگا یا دام بڑھانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جس شخص نے پہلے نرخ ٹھہرایا تھا اسے لازمی طور پر

یہ طرزِ عمل برا معلوم ہوگا اور بالکل ممکن ہے کہ اس قدر غصہ آجائے کہ جس سے
لڑائی ہو پڑے۔ اسلام اتنے ذرا سے خدشہ کو بھی مٹانا چاہتا ہے۔

عن ابی هریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا
تلقوا الرکبان لبیع ولا یبع بعضکم علی بیع بعض ولا تناجشوا ولا
یبع حاضر لباد ولا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذالک فهو
بخیر النظرین بعد ان یحلبها ان رضیها امسکها وان سخطها ردها
وصاعا من تمر. فی روایة من اشتری شاة مصراة فهو
فی الخیار ثلثة ایام فان ردها ردها معها صاعا من طعام (بخاری و مسلم)

یعنی حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
لوگو تم غلہ خریدنے کے لئے شہر سے باہر جاکر ٹانڈے سے نہ ملو اور ایک شخص
ایک چیز خرید رہا ہو اور بیچنے والا اور خریدار رضامند ہوگئے ہوں تو اُنکے
معاملہ کو برہم کرکے تم اُسے نہ خریدو اور قیمت بڑھا کر کسی کو دھوکا نہ دو، اور
شہری دیہاتی کی کوئی چیز نہ بیچے اور اونٹ اور بکری کا دودھ نہ چڑھاؤ
پھر جو شخص ایسے جانور کو خریدے اُسے دودھ دوہ لینے کے بعد پورا
اختیار ہے کہ پسند ہو تو رکھ لے اور ناپسند ہو تو پھیر دے اور اس کے ساتھ
کھجوروں کا ایک صاع بھی دے (صاع ایک پیمانہ ہے جو ڈھائی سیر ڈھائی
چھٹانک کے برابر ہوتا ہے) ایک روایت یہ بھی ہے کہ جو شخص دودھ چڑھی ہوئی
بکری خریدے اُسے تین روز تک اس کے واپس کردینے کا اختیار ہے
پھیرنا چاہے تو اس کے ساتھ ایک صاع غلہ دیدے۔

ایک اور حدیث ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لا یبع الرجل علی بیع اخیہ ولا یخطب علی خطبتہ

الا ان یاذن له (مسلم) یعنی ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی بیع پر بیع نہ کرے اور جس عورت کی خواستگاری اس کا کوئی (مسلمان) بھائی کر چکا ہو اس کی خواستگاری نہ کرے سوائے اس صورت کے کہ وہ بھائی خود اجازت دیدے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يسم الرجل على سوم اخيه المسلم (مسلم)

یعنی حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانے کے لیئے اسکی خریداری پر آپ خریداری کی خواہش نہ کرے۔

غلہ کو گراں نرخ پر پہنچنے کی امید میں روک رکھنا سرمایہ داری کا بدترین مظاہرہ ہے۔ وہ چند آدمی کہ جن کے پاس انکی ضرورتوں سے زائد روپیہ ہے اپنے کھیتوں کی پیداوار بھی روکے رکھتے ہیں اور دوسرے زمینداروں یا کاشتکاروں سے بھی سستے داموں پر خرید کر اپنے گھروں میں بھر لیتے ہیں اور اس طرح غلہ کے رک جانے کی وجہ سے شہر میں غلہ نہیں پہنچتا اور گرانی رونما ہو جاتی ہے اس وقت یہ سنگدل سرمایہ دار اپنا غلہ شہر کو بھیجتے ہیں اور خوب مہنگے نرخ پر بیچتے ہیں۔ یہ فعل اس لیئے بہت ہی مذموم ہے کہ اس کی وجہ سے شہروں کی غریب آبادی کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور اچھی خاصی بارش اور عمدہ فصلیں ہونے کے باوجود ان بدنصیبوں کے لیئے قحط پڑ جاتا ہے

اسلام ایک لمحہ کے لیئے بھی اس بات کا روادار نہیں ہے کہ امیر اور دولتمند لوگ محض اپنی دولت کی بدولت غریبوں کی مصیبت اور پریشانی کا باعث بن جائیں۔ اسلام کی نگاہ میں غریب اور امیر اور سرمایہ دار اور مزدور

سب بالکل یکساں ہیں اور وہ ان مسلمانوں کو کہ جو صاحب زر ہیں ایسی ناجائز حرکتیں کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔

عن معمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احتکر فھو خاطی (مسلم) معمر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو گرانی کے انتظار میں غلہ روک رکھے وہ گنہگار ہے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (ابن ماجہ)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص بازار کے بھاؤ غلہ لاکر بیچتا ہے اس کی روزی میں برکت ہوتی ہے اور جو شخص گرانی کے انتظار میں غلہ کو روکے رکھتا ہے وہ ملعون ہوتا ہے۔

عن معاذ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بئس العبد المحتکر ان ارخص اللہ الاسعار حزن وان اغلاھا فرح یعنی حضرت معاذ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ گرانی کے انتظار میں غلہ روک رکھنے والا برا بندہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نرخوں کو ارزاں کر دیتا ہے تو غمگین ہوتا ہے اور گراں کر دے تو خوش ہوتا ہے۔

ربوا یعنی سود

غیر دین کے ساتھ جن سے نہ دوستی ہو نہ دشمنی، برتاؤ کرنے کے ذکر میں تجارت کا ذکر آگیا تھا اور چونکہ آج کل کی تجارت کا دارومدار ہی سود پر ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک علیحدہ باب قائم کر کے اس کے متعلق اسلام کے

جو احکام ہیں اُن کا ذکر کر دیا جائے۔ جہاں تک مذہبی احکام کا تعلق ہے سود مذہب عیسوی میں بھی ممنوع ہے اور شریعت موسوی میں بھی لیکن بدقسمتی سے آج اس بات کو دیکھنا کوئی پسند نہیں کرتا کہ کسی چیز کے متعلق مذہب نے کیا حکم دیا ہے بلکہ وہ یہ معلوم کرنا پسند کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں اسپنسر اور مل اور ڈاروِن اور مکالے کیا رائے رکھتے ہیں، اور چونکہ اہل مغرب میں سود لینے اور دینے کی رسم عام ہے اس لئے ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کا بھی عام طور پر یہی رجحان ہو چلا ہے کہ سود کا لین دین ضروری ہے اور اس کے بغیر تجارت کی ترقی ناممکن۔ مغربی فلاسفروں کے شیدائی اور مغربی طرز معاشرت کے دلدادہ اب عام طور پر یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دیکر مسلمانوں کو ہر قسم کی ترقیوں سے روک دیا۔ اور آج تقریباً ہر تعلیم یافتہ نوجوان کی یہ رائے ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہے کہ وہ سود لینا حرام سمجھتے ہیں اور اپنی دولت کو ترقی نہیں دے سکتے۔ ممکن ہے کہ اُن کا یہ خیال درست ہو لیکن سود کی حرمت کے متعلق اچھی یا بُری کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح نظر ڈال لیں۔

سود ہو یا سود بالائے سود، دونوں کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص نہ تو اپنی کسی قسم کی محنت صرف کرتا ہے نہ اپنا وقت، اور محض اپنا روپیہ دوسروں کو دیکر اس بات کا حق دار بنجاتا ہے کہ وہ اسے جب اس کا روپیہ واپس کریں تو ایک سَو کی بجائے ایک سو دس یا ایک سو بیس دیں اور اس طرح بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ساہوکار کی دولت میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر سود لینے کا اثر صرف اسی قدر ہوتا کہ ساہوکاروں کی دولت برابر بڑھتی چلی جاتی تو ہم بھی "چشم ما روشن دل ما شاد" کہکر خاموش ہو رہتے لیکن یہ تو تصویر کا صرف

ایک رخ ہے جو روشن ہے اس تصویر کا تاریک رُخ غریبوں اور ناداروں کی طرف ہے کیونکہ دولت میں جو کچھ زیادتی ہوتی ہے وہ خود بخود نہیں ہو جاتی بلکہ کہیں نہ کہیں سے آتی ہے اور اس کے آنے کے راستہ اور اس کے منبع کی تلاش میں جب ہم نکلتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک سو کی بجائے ایک سو دس دینے میں جو دس روپے بڑھ گئے وہ آسمان سے نہیں برسے تھے بلکہ غریب مزدور یا کاشتکار نے زمین کھود کر نکالے تھے۔ یہ دس روپے اس غلہ کا ایک حصہ ہیں جو کسان نے صبح سے شام تک مئی جون کی دھوپوں میں اپنا خون پانی ایک کرکے زمین کے خزانے سے برآمد کیا ہے۔ یہ درحقیقت کسان کا خون ہے جو پسینہ کے قطرے بن بن کر کھیت کی زمین میں جذب ہوا تھا اور اب گیہوں کے دانے بن بن کر نکلا ہے۔

کسان کا خزانہ زمین کے نیچے مدفون نہیں ہے کہ ادھر اس نے قفل کھولا اور اُدھر روپے نکل پڑے، اور نہ زمین کے نیچے کوئی ایسا بینک ہے کہ کسان نے ایک کاغذ کے پرزے پر دستخط کرکے زمین میں اسے دبا دیا اور چہرہ شاہی سکّے کے دس روپے برآمد ہو گئے۔ ان دس روپوں کے پیدا کرنے کے لئے اسے اپنا وقت اور اپنی قوت عمل صرف کرنی پڑتی ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ایک روپیہ پیدا کرنے کے لئے ایک سیر قوت عمل کی اور دو دن کے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسان کے ایک بیوی بھی ہے اور دو یا تین بچے بھی۔ اس کے پاس صرف اتنا ہی وقت اور اتنی ہی قوت عمل ہے کہ جسے صرف کرکے وہ اپنے اور اپنی بیوی اور بچوں کے لئے روٹی کپڑا مہیا کر لے۔ ساہوکار کو دس روپے اس کی اصل سے زیادہ دینے کے لئے وہ مجبور ہے کہ کسی نہ کسی طرح دس سیر قوت عمل اور بیس دن کی فرصت اس پر خرچ کرے۔ ان حالات میں وہ غریب کیا کرے گا۔ وہ کسی طرح اپنا سال تین سو پینسٹھ کی بجائے تین سو پچاسی دن کا نہیں بنا سکتا۔ وہ کسی عمل یا جادو کے زور سے

اپنی سیر بھر قوت عمل سے سوا سیر کا کام نہیں لے سکتا۔ سال بھی جب اس کے لئے نہ بڑھ سکا اور قوت عمل کے اثرات میں بھی کوئی اضافہ نہ ہوا تو اب اس کے لئے ان دس روپیوں کے ادا کرنے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ اسے اور اس کی بیوی بچوں کو جس قدر غذا اور جتنے لباس کی ضرورت ہے اس میں بقدر مناسب کمی کرے تاکہ ساہوکار کو ایک سو کی بجائے ایک سو دس دیئے جا سکیں۔ کاشتکار، وہ کاشتکار، کہ جو اپنی محنت شاقہ سے تمام دنیا کا پیٹ بھرنے کے لئے غلہ پیدا کیا کرتا ہے اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر دس روپئے ایک ساہوکار کو دے اس لئے نہیں کہ ساہوکار اور اس کے بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ ساہوکار اور ساہوکار کی بیوی بچے اس روپئے سے شرابیں پئیں، تھیٹر دیکھیں، موٹریں خریدیں، کمخواب اور زربفت کے تھان اپنے جسموں پر اور صرف جسموں ہی پر نہیں بلکہ دروازوں پر اور دیواروں پر لپیٹا کریں، اور اپنے کتوں اور گھوڑوں کو ایسی غذائیں کھلایا کریں جو ایک متوسط الحال شخص کو معمولاً نصیب نہیں ہوتیں۔

کہا جا سکتا ہے اور بہت زور کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کاشتکار بھوکا مرتا ہے تو اس میں ساہوکار یا سرمایہ دار کا کیا قصور ہے۔ ساہوکار نے پورے سو روپے نقد اپنے خزانے سے نکال کر کاشتکار کو دئیے تھے۔ یہی سو روپئے اگر اس نے کسی تجارت میں لگائے ہوتے تو اس سے بھی تو اسے دس روپئے بلکہ شاید کچھ اور زیادہ نفع مل جاتا۔ ایسی صورت میں اگر وہ اپنے روپئے کا کرایہ کاشتکار یا مزدور سے لیتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔ بظاہر یہ دلیل بہت ہی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن ابھی اس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ ساہوکار کے پاس یہ سو روپئے

آئے کہاں سے اور اس کے خزانے میں یہ زر و جواہر کا انبار کس طرح لگ گیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فیصدی اسی ساہوکاروں کی دولت باپ دادا کے وقت سے برابر ورثہ میں چلی آتی ہے اور جس ساہوکار سے اس وقت یہ سو روپیہ قرض لئے گئے ہیں اس نے اس سے زیادہ اور کوئی محنت نہیں کی ہے کہ یا تو خزانے میں سے سو روپیہ کا ایک نوٹ نکالکر دیدیا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ کسی بینک کے نام چیک لکھکر اس پر دستخط کرنے کی تکلیف برداشت کی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ ساہوکار صرف اس حسن اتفاق کی بنا پر کہ وہ ایک امیر آدمی کے گھر پیدا ہو گیا تھا۔ کیا بلا کسی قسم کی محنت کئے ہوئے اس بات کا حقدار ہے کہ غریب کاشتکاروں اور مزدوروں کی گاڑھے پسینے کی کمائی اُن سے چھین لیا کرے اور چھیننے بھی اس روپیہ کے ذریعہ سے جو اس کی اپنی محنت و مشقت کا کمایا ہوا نہیں ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ دولت ہے کیا چیز؟

دنیا میں کوئی شخص عالم عدم سے اپنے ہمراہ چاندی سونے کے ڈھیر لیکر پیدا نہیں ہوا کرتا۔ اور چاندی سونے ہی پر کیا موقوف ہے وہ نہ اپنے ساتھ اپنی ہوا سانس لینے کے لئے لاتا ہے نہ غذا کھانے کے لئے لاتا ہے اور نہ پانی پینے کے لئے لاتا ہے۔ ہماری دنیا کا یہ نظام ہے کہ زندگی کی ضرورت کی یہ تینوں چیزیں ہر جاندار کو دنیا میں بڑی افراط کے ساتھ ملتی رہتی ہیں بشرطیکہ وہ انہیں تلاش کرنے کی تھوڑی سی محنت برداشت کر لیا کرے۔ صبح سے شام تک شیر اپنے شکار کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور جب اتنی محنت کے بعد اُسے شکار میسر آجاتا ہے تو وہ اس کا جائز حقدار سمجھا جاتا ہے۔ گائے بیل بکریاں اور ہرن وغیرہ صبح سے شام تک چل پھر کر اور بہت سے خطرات میں پڑکر اپنا پیٹ بھرتے

ہیں۔ اس لئے جو کچھ وہ کھا لیتے ہیں وہ اُنکے لئے اکل حلال ہے۔ پرند طلوع آفتاب کے وقت سے لیکر غروب آفتاب تک درخت کی شاخ سے زمین تک ہزاروں پھیرے کرکے ایک ایک دانہ چگتے ہیں اور اس طرح اپنا پیٹ بھرتے ہیں اس لئے وہ دانے یقینی طور پر اُن کا جائز حق ہیں۔ ابتدائی زمانے میں انسان کا بھی یہی دستور تھا کہ وہ دن بھر شکار کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا اور بہزار دقت خرابی کسی بکرے یا ہرن کی ٹانگ پتھر مار مار کر توڑ پاتا تھا۔ جب آہستہ آہستہ تمدن نے ترقی کی اور انسان نے غلہ بونا سیکھا تو علاوہ شکار کے اپنے لئے خوراک مہیا کرنے کا یہ ایک ذریعہ اور اس کے ہاتھ آگیا۔ تمدن کی مزید ترقی نے اسے یہ بات سکھائی کہ بجائے اس کے کہ ہر شخص اپنے تمام کام خود کرے سارا قبیلہ ملکر ایک گھر بنجائے اور تمام گھر کے لئے جس قدر کام کرنیکی ضرورت ہو وہ سارے کام قبیلہ کے تمام آدمیوں پر تقسیم کر دیئے جائیں۔ مضبوط محنتی اور جفاکش نوجوان اس کام کے لئے چھانٹے گئے کہ وہ کھیتوں میں ہل چلائیں اور غلہ پیدا کریں۔ تھوڑے سے آدمیوں کے سپرد کپڑا بنتا کر دیا گیا کچھ جوتے بنانے لگے اور بعض کو صرف اس کام پر متعین کر دیا گیا کہ وہ قبیلہ کے باقی مردوں کی غیر حاضری میں اُن کے گھروں کی حفاظت کریں۔ ہر شخص اپنی اپنی محنت کی پیداوار لاتا اور آپس میں اسے ایک دوسرے کی تیار کردہ چیزوں سے تبدیل کر لیا جاتا۔ غلہ دیکر کپڑا، کپڑا دیکر جوتا، اور جوتا دیکر ہانڈیاں اور گھڑے خریدے جاتے اور اپنا اپنا کام چلا لیا جاتا۔ گویا انسان کی اصلی اور حقیقی دولت کھانے پینے کی چیزیں تھیں یا زندگی کی ضرورت کی وہ چیزیں جو محنت اور وقت صرف کرکے کوئی شخص تیار کرے۔

خرید و فروخت کا یہ طریقہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ اس میں

بہت سی دقتیں تھیں اس لئے یہ تجویز سوچی گئی کہ کسی خاص چیز کے بدلے میں ہر چیز خریدی جا سکے ۔ اس طریقہ پر سکوں کی ابتدا ہوئی اور روپے پیسے کے بدلے میں ہر چیز خریدی اور بیچی جانے لگی ۔ سونا اور چاندی ایسی دھاتیں تھیں جو نسبتاً خوبصورت اور چمکدار بھی تھیں، اور مشکل سے ملتی بھی تھیں ۔ اس لئے انہی کے سکے بننے لگے ۔ لیکن فی الحقیقت سکہ کی قیمت سونے چاندی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ صرف اس لئے کہ اسے سکہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور اس کی ایک خاص قیمت مقرر کر دی گئی تھی ۔ اب بھی جو کچھ قیمت ہے وہ سکہ کی ہے نہ کہ سونے چاندی کی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کاغذ کے چند پرزوں کے بدلے میں ہزاروں روپے کا سونا چاندی بلا تکلف خریدا جا سکتا ہے ۔

گیہوں، پھل، یا گوشت ایسی چیزیں نہ تھیں جنہیں خزانوں میں بھر کر رکھا جا سکتا ۔ اس لئے سکوں کی ایجاد سے پہلے نہ خزانے تھے اور نہ سرمایہ اور سا ہو کار ۔ جب سکے ایجاد ہو گئے اور ان کی بدولت یہ آسانی ہو گئی کہ جس وقت جو چیز چاہی خرید لی تو لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت اور محبت پیدا ہو گئی اور ہر شخص کی قدرتی طور پر یہی خواہش ہوئی کہ ایسی "قاضی الحاجات" چیز کو کافی مقدار میں ہر وقت اپنے پاس رکھے ۔

اگر سکے ایجاد نہ ہوئے ہوتے تو ظاہر ہے کہ قارون کے خزانے میں بھی پانچ دس سیر ناج، دس بیس آم اور نارنگیوں، اور دو چار گوشت کے ٹکڑوں کے سوا اور کچھ نہ نکلتا اور چونکہ یہ سب چیزیں سڑ جانے والی یا گھن جانے والی تھیں اس لئے انہیں بھی جلد سے جلد کام میں لے آنے کی فکر لگی رہا کرتی ۔ تمام آدمی روزانہ چار یا چھ گھنٹے کام کیا کرتے اور اپنی پیداوار کا ایک جگہ ڈھیر لگا دیا کرتے اور ان ذخیروں میں سے ہر شخص کو بحصہ

مساوی، اناج، گوشت، پھل، ترکاریاں، کپڑا، جوتے، کتابیں، قلم، دوات، چھتریاں، برتن، چارپائیاں، میزیں، کرسیاں۔ غرضکہ ضرورت کی ہر چیز مل جایا کرتی۔ ایک انسان کی ضرورت کی تمام چیزیں ہر شخص کی جائز آمدنی ہوتی اور چار چھ گھنٹے تک محنت ومشقت کر کے باقی تمام وقت تفریح اور آرام میں گذارنے کا ہر شخص کو یکساں موقعہ ملا کرتا، اور یہ صورت کبھی رونما نہ ہوتی۔ کہ ہر سو آدمیوں میں سے نوے آدمیوں کو تو دس دس بارہ بارہ بلکہ شاید چودہ چودہ گھنٹے اپنا خون پانی ایک کرنا پڑے اور دس آدمی اس کے علاوہ اور کوئی کام نہ کریں کہ دوسروں کی پیدا کی ہوئی دولت کی تھیلیاں کی تھیلیاں لیجائیں اور کبھی افیون کے سٹے میں ہار آئیں اور کبھی گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں پر۔ اسی طرح سکوں کی عدم موجودگی میں یہ حالت بھی پیدا نہ ہوسکتی تھی کہ سو میں سے نوے انسان تو فاقہ کشی کی مصیبتوں میں مبتلا ہوں۔ انکے بچے کڑکڑاتے ہوئے جاڑوں میں بھی ایک رزائی کے چیتھڑے کو ترسیں۔ انکی بیویوں اور جوان لڑکیوں کے پاس ستر ڈھکنے کے لئے بھی کافی کپڑا نہ ہو اور بیمار ہو جانے پر اُن کے کنبہ کو دودھ کی ایک بوند یا دوا کا ایک قطرہ میسر نہ آئے اور دس آدمی ایسے ہوں کہ جو بلا کسی قسم کی تکلیف اُٹھائے اور بغیر ذرا سی بھی محنت کئے دوسروں کی کمائی ہوئی دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹ سمیٹ کر اپنے گھروں میں بھر لیا کریں۔ خوراک کی افراط کی وجہ سے ان کی بھوک تک زائل ہو جائے، پانی کی بجائے ہمیشہ بہتر سے بہتر شراب اور شربت استعمال کیا کریں۔ گھروں میں بجلی اور خس کی ٹٹیوں کی بدولت سردی اور گرمی کا گذر تک نہ ہو اور اُن کے گھوڑوں اور کتوں کے

جسم پر سوسو اور پچاس پچاس روپے کی جھولیں لدی رہتی ہوں۔
کیا کوئی صاحب عقل اس نابرابر اور غیر مساوی حالت کو پسند کر سکتا ہے جو آجکل پیدا ہو گئی ہے اور جس کی بدولت انسانی آبادی کا نوّے فیصدی حصّہ مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہے؟ کہا جا سکتا ہے کہ سرمایہ داروں اور ساہوکاروں کی ضرورت بھی ہمیں اتنی ہی ہے جتنی کاشتکار اور جولاہے کی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ساہوکاروں کی ہستی کو قائم رکھیں تاکہ تمدن اور تہذیب کو ترقی دینے کے لیے ہمیں ہر وقت سرمایہ میسر آسکے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر سرمایہ دار اور ساہوکار نہ ہوتے تو دنیا میں آج نہ ریلیں ہوتیں نہ تار، نہ ہوائی جہاز ہوتے نہ موٹر کار نہ بجلی اور بھاپ کی قوتوں سے کوئی واقف ہوتا اور نہ خورد بینوں کے ذریعہ سے انسان کے ان غیر مرئی دشمنوں کا پتہ لگتا جنہیں جراثیم کہتے ہیں یہ سب کچھ بالکل صحیح ہے لیکن اس کے معنی صرف یہی ہیں کہ ہمیں ہر قسم کی ترقی اور تہذیب کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے نہ کہ سرمایہ داروں کی۔ ہم اس تمام روپے کو جو قوم کی ضرورتوں سے زیادہ ہو اس طرح بھی محفوظ کر سکتے ہیں کہ اسے قومی خزانے یا بیت المال میں جمع کر دیں تاکہ اس سے تمام قوم یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکے۔ لیکن سرمایہ کو محفوظ کرنے سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ آیا جو سرمایہ ہم موٹروں اور ہوائی جہازوں کے لئے یا ریلوں اور ملوں کی خاطر اپنے ساہوکاروں کے خزانوں میں یا قومی بیت المال میں جمع کر رہے ہیں وہ درحقیقت قوم کی ضرورتوں سے زائد بھی ہے یا نہیں۔ قوم حقیقتاً ایک بہت بڑے کنبہ کا نام ہوتا ہے اور کبھی کسی کنبہ میں اس بات کو گوارا نہیں کیا جا سکتا کہ دس آدمیوں میں سے نو کے بیوی بچے تو ننگے بھوکے رہیں اور صرف ایک شخص کے پاس وہ تمام دولت جمع کر دی جائے جو انہی نو آدمیوں نے

اپنی محنت سے پیدا کی ہے اور جس کے لئے ان سوہ آدمی کو اپنا ہاتھ تک نہیں ہلانا پڑا ہے اگر کنبہ کے ننھے ننھے بچے دودھ کی دو بوندوں کو اور کنبہ کے نوجوان پیٹ بھر روٹی کو ترسا کرتے ہیں تو ایک ایسے کنبے کو احمقوں کے کنبے کے سوا اور کیا کہا جائیگا جو کنبہ کی تمام دولت صرف ایک آدمی کے ہاتھ میں اس لئے دیدے کہ وہ اس سے موٹریں اور ہوائی جہاز خریدلے یا کپڑا بننے کا ایک کارخانہ قائم کردے۔ اگر ایک کنبہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے بچوں کو کافی اور مناسب غذا دے اور پھر بھی اگر دولت بچ رہے تو اس سے مشینیں اور ریلیں خریدے تو ایک قوم کے لئے بھی یہی طرز عمل ناگزیر ہے کہ وہ پہلے اپنے نوّے محنت کرنے والوں کی ضروریات زندگی کا انتظام کرے اور اس کے بعد جو کچھ دولت بچ رہے اُسے تمدن اور تہذیب کی ترقی کی خاطر صرف کرے۔ قوم کے نوّے فیصدی انسانوں کی زندگی اور تندرستی بہر صورت و بہر حالت تمام موٹروں اور ہوائی جہازوں اور بجلی کی روشنیوں اور پنکھوں پر مقدم ہے۔ کیونکہ انہی نوّے فیصدی کی محنت و مشقت قوم کا اصلی سرمایہ اور ملک کی اصلی دولت ہے۔

اس کے علاوہ کون نہیں جانتا کہ نوّے فیصدی انسانوں کی پیدا کی ہوئی دولت جب دس فیصدی نکمے لوگوں کے ہاتھ میں جاتی ہے تو وہ قوم کا سرمایہ نہیں رہتی اور اُنکا بیشتر حصہ ان دس فیصدی احدیوں کی عیش پرستیوں پر صرف ہوا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سرمایہ دار اور ساہوکار لوگ اگر تہذیب و تمدن کی ترقی پر یا رفاہ عام کے کاموں پر کبھی کوئی رقم صرف کرتے بھی ہیں تو صرف اس وقت کہ جب اپنی ذات پر خرچ کرنے کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا موقع بھی باقی نہیں رہتا۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ کسی ملک کی آبادی ایک ہزار آدمیوں کی ہے تو دولت کے موجودہ طریقہ تقسیم کے رو سے نو سو آدمیوں کی کمائی ہوئی دولت میں سے نوّے فیصدی اُن سو

آدمیوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے جو عیش پرستی کے سوا اور کوئی کام نہیں کرتے اگر ان ایک ہزار آدمیوں نے سال بھر میں ایک ہزار روپے پیدا کئے تھے تو ان ایک ہزار میں سے نو سو روپے قوم کے سو احدیوں کے ہاتھوں میں جاتے ہیں اور ان نو سو میں سے کم از کم سات سو روپے صرف اس کام آتے ہیں کہ ان احدیوں کی میز کھانے کی قابوں سے لدی ہوئی ، اور انکی الماریاں اور صندوق کمخواب و زربفت کے کپڑوں سے بھرے ہوئے رہیں ۔ درحالیکہ قوم کے وہ نو سو محنتی اور جفاکش انسان جنکا خون اس دولت کے پیدا کرنے میں پانی کی طرح بہا ہے ۔ باجرے کی دو روٹیوں اور ایک گلاس چھاچھ پر قناعت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اُن کے وہ بچے جو کل کو اپنے آباؤ اجداد کی طرح زمین سے کھود کھود کر دولت نکالنے پر مجبور ہوں گے ۔ بس اتنی ہی خوراک پاتے ہیں کہ جس سے وہ مرنے نہ پائیں اور کسی نہ کسی طرح مرگر کر اس قابل ہو جائیں کہ قوم کے سو نکمّے احدیوں کی غلامی کیا کریں ۔ کیا دنیا کا کوئی ذی ہوش اور صاحب عقل شخص اس صورت حال کو پسند کر سکتا ہے ؟ اور کیا کوئی قوم اگر اسے ان واقعات اور حالات کا علم ہو جائے تو اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ اس کے نوتے فیصدی فرزند جنمیں سے اکثر اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بقیہ دس فیصدی احدیوں سے بہتر ہیں ، اس بے دردی کے ساتھ دولتمندوں کی مستیوں اور عیش پرستیوں کی نذر چڑھتے رہیں ؟

غریب اور جاہل ہندوستان کو تو ان باتوں کا خیال کیا آسکتا تھا ۔ مہذب اور ترقی یافتہ یورپ کی دوربین نگاہوں نے اس انسانی تباہی اور بربادی کو دیکھا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ قوم کے دس سرمایہ داروں کے جسم پر چربی چڑھانے کے لئے قوم کے نوتے کاشتکاروں اور مزدوروں کا تیل نکالا جا رہا ہے تو ان کے دل

کانپ گئے اور ان میں سے بہت سے اس عزم کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے کہ جس طرح بھی بنے گا سرمایہ داری کی لعنت کا خاتمہ کر دیں گے۔ اُن کا یہ ارادہ چونکہ بنی نوع انسان کی ہمدردی پر مبنی ہے۔ اس لئے اسے اچھا کہہ لیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صحیح طریقۂ علاج ہرگز نہیں ہے۔ جگر کے پھوڑے کی وجہ سے جو بخار مریض کو چڑھا ہے وہ صرف بخار کی دواؤں سے دور نہیں ہو سکتا۔ سرمایہ داروں سے دولت چھین کر اگر مزدوروں پر تقسیم بھی کر دی جائے تو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ چند روز کے بعد ان مزدوروں میں سے دس فیصدی سرمایہ دار بن جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمیں مریض کا صحیح علاج کرنا منظور ہے تو سب سے پہلے جگر کے پھوڑے ہی میں شگاف دینا پڑیگا۔

ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ دولت فی الاصل انسانی خوراک کی ان اشیا کا نام ہے جنہیں ہمارا مزدور یا کاشتکار قدرت کے لازوال خزانوں میں سے اپنا وقت اور اپنی محنت صرف کر کے نکالا کرتا ہے اور انصافاً وہ اس بات کا مستحق ہے کہ یا تو جو کچھ اس نے اپنی محنت سے برآمد کیا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت سمجھی جائے اور اسے بلا شرکت غیرے اس بات کی آزادی حاصل ہو کہ جتنا اپنی ضرورت سے زاید اس نے پیدا کیا ہے اُسے جلاہے اور موچی اور کمہار اور لوہار کو دیکر اُن سے اُنکی بنائی ہوئی چیزیں جن کی اُسے ضرورت ہے خرید لیا کرے تاکہ وہ اور اُسکے متعلقین آرام سے زندگی بسر کر سکیں یا پھر اگر تمدن اور تہذیب نے قوم کے مختلف آدمیوں کو مختلف کام بانٹ دیئے ہیں اور وہ اپنے حصہ کا کام یعنی غلہ پیدا کرنا پورے طور پر انجام دیتا ہے اور اس کی محنت سے تمام قوم اپنا پیٹ بھرتی ہے تو قوم ہی اس بات کی بھی ذمہ دار ہو کہ کاشتکار کی جتنی اور ضرورتیں ہیں وہ خوب اچھی طرح پوری ہو جائیں اور جلاہے اور کمہار اور موچی اور لوہار سب اپنی اپنی پیداوار میں سے بقدر ضرورت اُسے دیا کریں۔ لیکن حق و انصاف کا خون کرنے والے خود غرض انسانوں نے موقعہ پا کر ایک بالکل ہی نیا طریقہ رائج

کر دیا۔ جو لوگ کسی قدر طاقتور تھے اُنہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی وسیع زمین کے بڑے بڑے ٹکڑوں پر اپنا قبضہ جما لیا اور جب کوئی کاشتکار اسے جوتنے بونے کے لئے پہنچا تو انہوں نے اُسے یہ کہکر روک دیا کہ یہ ہماری ہے اور اگر اسمیں کھیتی کرنی چاہتے ہو تو پیداوار میں سے تیس فیصدی یا چالیس فیصدی ہمیں دیا کرو۔ غریب کاشتکار اس مطالبہ کو سُنکر سخت حیرت میں رہ گیا اور اس کی سمجھ میں کسی طرح نہ آیا کہ میں ایران یا افغانستان ہی میں پیدا ہوا ہوں اور ایران یا افغانستان ہی کی زمین میں اپنے غلہ کے چند دانے بونے کے لئے مجھ سے کرایہ طلب کیا جاتا ہے حالانکہ اس غلہ سے تنہا میں ہی فائدہ نہ اُٹھاؤنگا بلکہ سارے ایرانی یا افغانی بھائی کھائیں گے۔ لیکن اب مصیبت یہ تھی کہ کہ اس کے لئے کوئی اور چارہ کار بھی نہ تھا کیونکہ ملک کی حکومت بھی انہی طاقتور لوگوں کے ہاتھ میں تھی اور وہ اپنے حسب مطلب جیسے چاہتے تھے ویسے قانون بنا لیتے تھے۔ حکومتوں نے اس قسم کے قانون بنا دیئے کہ زمینداروں کا قبضہ زمین پر بالکل جائز ہے اور غریب کسان نے انتہائی حیرت کے ساتھ آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہا کہ یا اللہ! اگر حق صرف "طاقت" کا نام ہے تو تعجب نہیں کہ کل کو یہ طاقت والے لوگ سمندروں کے پانی اور فضا کی ہوا پر بھی قبضہ کر لیں اور ہمیں پانی کا ہر گھونٹ اور ہوا کا ہر سانس بھی ان سے قیمتاً ہی خریدنا پڑے۔ کیونکہ ہوا، پانی اور غذا کوئی شخص اپنے ساتھ لیکر نہیں آتا ہے۔ جب ان لوگوں نے غذا پیدا کرنے والی چیز یعنی زمین پر اپنا قبضہ کر لیا ہے تو ضرور پانی اور ہوا پر بھی قابض ہونے کی کوئی صورت نکال لیں گے۔

چاروناچار کسان کو طاقتور زمینداروں کی شرطیں منظور کرنی پڑیں اور

اس طرح اس رسم کی ابتدا ہوئی کہ دو چار یا دس آدمی محنت کرتے کرتے مریں، اور ایک شخص بلا کسی قسم کی محنت کئے اُنکی پیداوار میں اپنا حصہ لگا لے کسان جو کچھ پیدا کرتا تھا چونکہ اس میں سے ایک بڑا حصہ تو حکومت کو چلا جاتا تھا، اور پھر باقی ماندہ میں سے ایک اور بڑا حصہ زمیندار کی بھینٹ چڑھتا تھا اس لئے اس غریب کے اپنے پاس ایک اس قدر بچتا تھا کہ اپنے اور اپنے خاندان کے لئے زندگی کی ضروریات آسانی کے ساتھ فراہم کر سکے اور اسے اکثر اس بات پر مجبور ہونا پڑتا تھا کہ کسی ایسے شخص سے کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سکے موجود ہوں قرض لے۔ کبھی کبھی کارکنان قضا و قدر اس غریب پر ترس کھا کر نہایت اچھی بارش کر دیتے تھے اور پیداوار کی افراط اس کا قرضہ چکا دیتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بارش معمول سے بھی کم ہوتی تھی اور ایسی صورت میں کسان مجبور ہوتا تھا کہ کچھ اور قرض لے۔ قرض دینے والے بھی بالعموم یہی زمیندار ہوتے تھے اس لئے اُنہوں نے کسان کی مجبوریوں سے اور بھی فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی، اور اس غرض سے کہ وہ کبھی اُن کے قرض سے سبکدوش نہ ہو سکے اور ہمیشہ غلام بنا رہے اُنہوں نے اس شرط پر قرض دیا کہ سو دیکر ایک سو دس یا ایک سو بیس لیں گے۔

سود لینے کی ابتداء تو غالباً اسی طرح ہوئی تھی لیکن جب ساہوکاروں نے یہ دیکھا کہ اس طرح دوسروں کی ضرورت کے وقت انہیں قرض دیکر نہایت آسانی کے ساتھ اپنے محبوب سکوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ کیا جا سکتا ہے تو انہوں نے یہ رسم ہی قائم کر لی کہ جب کسی کو اس کی ضرورت کے وقت قرض دیں تو اس سے یہ ٹھہرا لیں کہ دس یا بیس زیادہ کرکے

واپس کرے گا۔

حضرت موسیٰ بھی منع کرتے کرتے تھک گئے اور حضرت عیسیٰ نے بھی اپنا سارا زور خرچ کر دیا مگر حرص و ہوا کے بندے اور چمکتے ہوئے سکوں کی شکل کے شیدائی کسی طرح بھی باز نہ آئے اور چونکہ ملکوں کی حکومتیں خود انہی زمینداروں اور ساہوکاروں کے ہاتوں میں تھیں اس لیے ایسے قانون بھی بلا تکلف بنوا لیئے کہ جن کے رو سے سود لینا بالکل جائز اور مبنی برانصاف قرار پا جائے۔

لیکن سود خواری کو اچھا یا برا کہنے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ جن قوموں میں اس کا رواج عام تھا اور ہے اُن کا انجام کیا ہوا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور وہ یہ کہ تمام دنیا کی دولت کھنچ کھنچ کر اُن چند ساہوکاروں یا سرمایہ داروں کے خزانے میں چلی گئی ہے اور چلی جا رہی ہے۔ جن کی تعداد قوم میں کسی طرح بھی دس فیصدی سے زیادہ نہیں ہے اور باقی نوّے فیصدی میں سے ایک بڑی تعداد تو اس طرح اپنی زندگی بسر کر رہی ہے کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں اور کپڑا ہے تو روٹی نہیں اور ایک مختصر تعداد محنت شاقہ برداشت کرنے کے بعد بمشکل اتنا پیدا کر پاتی ہے کہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال لے۔ رزق پیدا کرنے کے لیے سب سے زیادہ محنت کرنے والے تو اکثر فاقے کر کے زندگی کے دن پورے کرتے ہیں اور سود کھانے والے ہمیشہ کثرت غذا اور بیکاری کی وجہ سے جگر اور معدہ کے امراض میں مبتلا رہتے ہیں۔ تقریباً ہر ملک کے محنت مزدوری کرنے والوں نے اس مصیبت اور اس تباہی کو محسوس کر لیا ہے جس میں ملک کی نوّے فیصدی آبادی مبتلا ہے، اور اب قریب قریب ہر ملک میں مزدوروں کی انجمنیں اس غرض سے قائم ہو گئی ہیں کہ کسی طرح سرمایہ داری کی لعنت سے نجات حاصل کریں۔ اس طرح گویا ہر ملک میں ایک خانہ جنگی شروع ہو گئی

ہے جس میں بھائی بھائی سے لڑ رہا ہے اور ایک ہموطن دوسرے ہموطن کا گلا کاٹنے پر آمادہ ہے۔ کیا کسی قوم یا کسی ملک کے لئے اس سے زیادہ دردناک کوئی اور حالت ہو سکتی ہے کہ اس کے فرزند خود ہی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں؟ کیا اس سے زیادہ افسوسناک کوئی اور نظارہ ذہن میں آ سکتا ہے کہ ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم کے افراد اپنے ہی بھائیوں کا خون چوس چوس کر خود اپنی قوم اور اپنے ملک کو تباہ کر دیں؟ کیا اگر کسی ملک کے نوّے فیصدی مزدوروں کو بدن سے ننگا اور پیٹ سے بھوکا رہنا پڑے تو صرف اس وجہ سے کہ اس میں چند کروڑ پتی موجود ہیں اس قوم کو خوشحال اور ترقی یافتہ کہنا جائز ہے؟ کیا نوّے فیصدی مزدور اور کسان خدا کے بندے نہیں ہیں کہ اُنکی تباہی گوارا کر لی جائے؟ اور کیا اگر سود خوری کا یہی نتیجہ نکلتا ہے تو پھر بھی کوئی منصف مزاج شخص اسے اچھا اور جائز کہہ سکتا ہے؟

میں اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہوں کہ آج کل تجارت کا دارومدار بالکل سود پر ہے لیکن اس واقفیت کے باوجود کسی طرح بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ مسلمان اگر سود لینا شروع کر دیں گے تو اُن کی دولت میں اضافہ ہو جائیگا۔ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم سو روپے دیکر ایک سو دس روپے واپس لیں گے تو ضرور ہماری دولت میں دس روپے کے بقدر زیادتی اور افزونی ہو جائے گی۔ لیکن یہ حساب کا ایک دھوکا ہے۔ فرض کیجئے کہ زید کے پاس ایک ہزار روپے ہیں اور انہیں اس نے دس مختلف آدمیوں کو فی کس سو سو روپے کے حساب سے سود پر قرض دیدیا اور ایک سال کے بعد اُسے ہر شخص نے ایک سو بیس کر کے واپس دیئے تو اس طرح صرف سال بھر میں اس کی پونجی میں دو سو روپیوں کا اضافہ ہو گیا۔ زید اپنی اس کامیابی پر

جس قدر خوش ہو بجا ہے۔ اور اگر اسے اپنی مسرت اور شادمانی کے عالم میں خیال نہیں آتا تو شکایت نہیں لیکن ہم اور آپ تو مدہوش نہیں ہیں۔ ہماری آنکھیں تو یہ المناک منظر دیکھ سکتی ہیں۔ کہ زید کو بیس بیس روپے زائد دینے کے لیئے عمرؔ، خالدؔ، بکرؔ، زبیرؔ، حمزہؔ، جابرؔ، ہاشمؔ، طلحہؔ، نوفلؔ اور جبیرؔ کے خاندانوں پر کیا مصیبت گزری ہے۔ ان سب کی بیویوں اور بچوں کو کئی مہینے تک مسلسل صرف ایک وقت اور وہ بھی روکھی سوکھی کھا کر گذارہ کرنا پڑا ہے بچوں کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔ عورتیں عین جوانی میں بڑھیاں نظر آ رہی ہیں اور خود ان غریبوں کا یہ حال ہے کہ کمزوری کی وجہ سے نہ کلہاڑی اٹھتی ہے اور نہ بسولا۔ زید کی دونوں جیبیں یقیناً روپیوں سے بھر گئیں۔ لیکن عمر اور خالد وغیرہ کی جیبیں خالی بھی تو ہو گئیں۔ ایک ڈاکٹر صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ وہ روزانہ صبح کو جب اپنی تندرستی کے متعلق اطمینان کرنے کی غرض سے آئینہ میں اپنی زبان دیکھا کرتے تھے تو محض اس لئے کہ کہیں بلا فیس لیئے ہوئے لوگوں کی زبانیں دیکھنے کی عادت نہ پڑ جائے وہ اپنے کوٹ کی داہنی جیب میں سے فیس کے روپئے نکالکر بائیں جیب میں ڈال لیا کرتے تھے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسا کرنے سے ڈاکٹر صاحب کی دولت میں کوئی اضافہ ہو جاتا تھا؟ اسی طرح اگر عمر اور بکر کی جیبوں سے نکلکر دو سو روپئے زیدؔ کی جیب میں چلے جائیں تو کیا یہ بھی ڈاکٹر صاحب کی داہنی جیب سے بائیں میں روپیوں کا چلا جانا نہیں ہے؟

ابھی ذرا ٹھہر یئے! زید کی سود خواری کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہے کہ قوم کی دولت میں کوئی اضافہ نہ ہوا اور وہ فعل عبث ٹھہرے، بلکہ یہاں ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ زید کے لڑکے کو دو سو روپے کی ایک بائیسکل خریدوانے

میں زید ہی جیسے دس انسانوں کے بچے غذا نہ ملنے کی وجہ سے ٹھٹھر کر رہ جاتے ہیں اور ان کے جسمانی اور دماغی قویٰ نشو ونما نہیں پاتے۔ کیا اس بات میں کوئی خاص خوبی ہے کہ قوم کے ایک بچہ کے لئے سواری مہیا کر کے ہم اسی قوم کے دس یا پندرہ بچوں کو اس قدر کمزور کر دیں کہ وہ غریب اپنی ٹانگوں پر سیدھے کھڑے بھی نہ ہو سکیں؟ کیا قوم کو کسی طرح پہلے سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ زید کا بچہ تو قوم کے لئے باعث فخر ہوگا اور عمر و بکر کے بچے باعث ننگ؟ کیا یہ بالکل ممکن نہیں ہے کہ قوم کے لئے عمر و بکر کے بچے بڑے ہو کر زید کے بچے سے بدرجہا زیادہ مفید ثابت ہوں اور ایسی صورت میں کیا اس سے بڑھ کر قومی نقصان کوئی اور ہو سکتا ہے کہ ان بچوں کو بھوکا مار کر انکی بڑھوار روک دی جائے؟ قوم کے نقطۂ خیال سے یہ زیادہ اچھا ہے کہ اس کے تمام افراد خوب تندرست اور محنتی ہوں یا یہ کہ اس میں صرف دس فیصدی تو ایسے ہوں کہ جن کے خزانے مال و زر سے بھرے پڑے ہوں اور وہ خود نکمّے احدی ہوں اور باقی نوّے فیصدی ان دس احدیوں کو بریانی اور قورمے کھلانے کی غرض سے رات دن بھوکے مرتے مرتے اور محنت کرتے کرتے نیم مردہ ہو جائیں؟ اگر یہی اچھا ہے کہ تمام قوم تندرست اور محنتی ہو تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ سود لینا مسلمانوں کے لئے مفید ہوگا اور سود لیکر ان کا افلاس دور ہو جائیگا۔ سود لینے سے یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں میں بھی تھوڑے سے "کندن لال" اور "جواہر مل" بنجائیں اور تمام قوم کی دولت سمٹ کر ہزار دو ہزار گھروں میں جمع ہو جائے لیکن ان ہزار دو ہزار کو تو مسلمانوں کی قوم نہیں کہا جا سکتا مسلمانوں کی قوم تو وہ چھ کروڑ بدنصیب ہیں جنکی جیبوں سے یہ کروڑوں روپیہ نکلکر آئیگا اور جو موجودہ حالت سے بھی زیادہ نادار اور مفلس بنجائیں گے۔ سود خواری کا نتیجہ آجتک کبھی یہی نکلا ہے اور آئندہ بھی اس کے سوا اور کچھ

نہیں نکل سکتا کہ قوم کے دس آدمی تو عیش اڑائیں اور نوے آدمی مر مر کر اپنی
زندگی کے دن پورے کریں، اور یہ ایک ایسی ناخوش آیند حالت ہے کہ جسے
اسلام کسی طرح بھی اپنے پیروؤں کے لئے گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اسلام تو اس بات
کا خواہشمند ہے کہ جہاں کہیں دولت اکٹھی ہو اُسے زیادہ سے زیادہ پھیلا دیا جائے
تاکہ خدا کی زیادہ سے زیادہ مخلوق آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکے خدا نے
اسلام نے صاف اور واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ
أَلِيمٍ ۝ یعنی جو لوگ کہ سونا اور چاندی دفن کر کے رکھتے ہیں اور اسے
خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیدو۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے کہ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا
مِمَّا تُحِبُّونَ ۝ یعنی تم اس وقت تک نیک نہیں ہو سکتے کہ جب تک اس کو
خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو کہ جسے تم عزیز رکھتے ہو۔

دوسری قوموں کی طرح مسلمانوں میں بھی یہ ہو سکتا تھا کہ باپ کا تمام ترکہ
صرف بڑے بیٹے کو ملجائے اور اس طرح گویا سرمایہ داری بھی قوم میں وراثتاً چلتی
رہے۔ لیکن اسلام تو کسی حالت میں بھی اس کو نہیں پسند کرتا کہ خدا کی پیدا کی
ہوئی دولت جسے کوئی انسان نہ اپنے ساتھ لاتا ہے اور نہ لیجاتا ہے چند انسانوں کے
قبضہ میں محدود ہو کر رہ جائے اس لئے اس نے مرنے والے کے ترکہ میں ماں کا
بھی حصہ رکھا ہے، باپ کا بھی حصہ رکھا ہے، بیٹوں کا بھی حصہ رکھا ہے
بیٹیوں کا بھی حصہ رکھا ہے، بیوی کا بھی حصہ رکھا ہے، بھائی کا بھی حصہ
رکھا ہے اور بہن کا بھی حصہ رکھا ہے، غرضکہ کوشش یہ کی ہے کہ جہاں تک
ہو سکے کسی کو محنت کئے بغیر مفت میں بہت سی دولت نہ مل جائے اور

جو دولت کہ کسی شخص نے اپنی کفایت شعاری اور محنت کی بدولت جمع کی تھی اس کے مرنے کے بعد اس میں سے تھوڑی تھوڑی بہت سے آدمیوں کو مل جائے اور ایسی صورت رونما نہ ہونے پائے کہ کوئی ایک شخص مفت میں دولت مند بن کر اجاری اور نکما بن جائے۔

دولت کو کسی ایک گھر میں اکٹھا ہونے سے روکنے کے لئے اسلام نے ایک تدبیر یہ بھی کی ہے کہ ہر صاحب نصاب مسلمان پر زکوٰۃ فرض کر دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی آمدنی اس کے اخراجات سے زیادہ ہو اور اس کے پاس کھا پی کر بھی دولت کی ایک مقررہ مقدار بچ رہا کرے تو وہ ہر سال اس میں سے چالیسواں حصہ خدا کی راہ میں صرف کیا کرے اور خدا کی راہ میں صرف کرنے کا یہ مفہوم ہے کہ اس سے اپنے ایسے بھائیوں اور بہنوں کی مدد کی جائے جو کسی سبب خود اپنے لئے روزی کمانے سے معذور ہیں۔ آج کل زکوٰۃ عام طور پر غیر مستحقین کو دیدی جاتی ہے، اور مسلمان زکوٰۃ کا روپیہ نکال کر بلا یہ دیکھے ہوئے کہ جسے ہم روپیہ دے رہے ہیں وہ مستحق بھی ہے یا نہیں، چاہے جس کو دیدیتے ہیں، اور بسا اوقات اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اچھے خاصے تندرست اور موٹے تازے آدمیوں کو بھی خیرات لینے کا چسکا پڑ جاتا ہے لیکن یہ اسلام کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا قصور ہے۔ اسلام نے ہر امکانی کوشش اس بات کی کی ہے کہ ہوا اور پانی کی طرح دولت کی نعمت بھی خدا کے بندوں کے لئے عام ہو، اور دو چار یا دس بیس زر پرست اسے دیوتا بنا کر اپنے گھر میں نہ بند کر لیں، اور اگر دولت کو قومی سرمایہ بنا دینا اور تا حد امکان تمام قوم کی آمدنی کو برابر رکھنا تاکہ یہ صورت نہ پیدا ہو کہ صرف چند آدمی عیش کریں اور باقی تمام قوم بھوکی مرے کوئی اچھی بات ہے جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ سود خواری سے روک کر اسلام نے مسلمانوں کو ایک بہت ہی بڑی لعنت اور

مصیبت سے بچا دیا ہے جس کا انجام دردناک تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

سود کی حرمت کے متعلق خدائے پاک کے احکام بالکل صریح اور صاف ہیں اور جو لوگ سود خواری کے حامی ہیں انہیں بھی اس سے انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ "ربوا" حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ
يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ
الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ
رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۚ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَنْ عَادَ
فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۚ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ

یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اس شخص کا سا کھڑا ہونا کہ جسے شیطان نے مس کر کے مخبوط الحواس بنا دیا ہو یہ ان کے اس کہنے کی سزا ہے کہ بیع اور ربوا ایک سی چیز ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا کو حرام تو جب کسی کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی بات پہونچی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے وہ تو اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے اور اگر پھر سود لے تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور جتنے ناشکر ہیں اور کہنا نہیں مانتے خدا ان سے راضی نہیں ہے۔

کلام مجید کی ایک اور آیت یہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ

تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ۝

یعنی اے ایمان والو تم اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اُسے چھوڑ بیٹھو، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کیلئے ہوشیار رہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہاری اصلی رقم تمہارے لئے ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی اور تمہارا نقصان کرے۔

سود در سود کے متعلق حکم الٰہی یہ ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝

یعنی اے مسلمانو! سود در سود نہ کھاؤ جو اصل میں شامل ہو ہو کر دوگنا اور چوگنا ہوتا چلا جائے۔ اور اللہ سے ڈرو عجب نہیں تم آخرت میں فلاح پاؤ۔

ایک مقام پر باری تعالیٰ کا ارشاد یہ بھی ہے۔

وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ۝

یعنی مسلمانو یہ جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو تو وہ سود خدا کے یہاں نہیں پھولتا پھلتا، اور وہ جو تم خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوٰۃ دیتے ہو تو ایسا ہی کرنے والے لوگ اپنے دیئے ہوئے کو خدا کے یہاں بڑھا رہے ہیں۔

خدا کے بندوں میں جنہیں اس نے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فرما کر ایک برادری کے مختلف افراد بتایا ہے مالی عدم مساوات اور اقتصادی غلامی پیدا کرنے والی چیز یعنی سود کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اٰکل الرّبوٰا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ و قال ھم سوآء (مسلم) یعنی حضرت جابر سے روایت ہے کہ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سود کی دستاویز لکھنے والے اور سودی معاملہ کی شہادت دینے والے پر لعنت کی اور فرمایا کہ یہ سب ارتکاب گناہ میں برابر ہیں۔

عن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبیعوا الدینار بالدینارین ولا الدرھم بالدرھمین (مسلم)

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے اور ایک درم کو دو درموں کے بدلے نہ بیچو۔

ہندوستان کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے فتوے ہو چکے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے اس لئے یہاں غیر مسلموں کے ساتھ سود کا لین دین جائز ہے۔ دارالحرب میں سود کا جائز ہونا تو کچھ تعجبات سے نہیں ہے کیونکہ بحالت جنگ دشمن کا مال و اسباب لوٹ لینا بھی جائز ہوتا ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو سود بھی ایک قسم کی لوٹ ہی ہے جسمیں ہم دوسروں کا مال انہیں گالیاں دیکر اور تلواریں دکھا کر وصول کرنے کی بجائے انہیں اپنا روپیہ دیکر اور قلم چلا کر چھین لیتے ہیں۔ لیکن یہ کہ ہندوستان دارالحرب ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر بہت ہی تھوڑے سے علما شاہ صاحب دہلوی اور مولانا صاحب لکھنوی سے متفق الرائے ہیں۔ بہر حال یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اور اس کے متعلق کسی قطعی رائے کے اظہار کا میں اپنے آپ کو اہل نہیں پاتا میری کتاب کا موضوع بھی یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھا جائے یا دارالاسلام

اس لئے میں خود کو اس بحث سے بالکل الگ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک نفس سود کا تعلق ہے میں عرض کر چکا اور پھر عرض کرنے کے لئے تیار ہوں کہ یہ ایک ایسا زہر ہے جس پر شہد لپٹا ہوا ہے لوگ اس کے ظاہری فائدوں کو دیکھ کر اس کے دیوانے بنجاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دولت میں اضافہ کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت قوم کی دولت میں اضافہ کرنے کا اس کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے کہ زمین کھود کر اس سے دولت برآمد کی جائے، یا دوسروں کی برآمد کی ہوئی چیزوں کو خرید کر ان پر اپنی محنت اور اپنا وقت صرف کر کے ان سے نئی نئی چیزیں بنا کر فروخت کی جائیں۔

چوری، لوٹ مار اور رشوت

اپنی محنت یا اپنا مال و اسباب کسی کو دیکر اس کے بدلے میں اس کا روپیہ لینا مزدوری اور تجارت کرنا کہلاتا ہے اور اسلام ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیتا ہے۔ بشرطیکہ سچائی، ایمانداری اور انصاف سے کام لیا جائے اور ناپ تول میں کمی نہ کی جائے لیکن ہم دوسروں کا مال و اسباب اس کا کچھ معاوضہ دیئے بغیر بھی حاصل کر سکتے ہیں اور اس کا ذریعہ چوری، لوٹ مار اور رشوت ہو سکتا ہے۔ اسلام میں چور کی سزا بہت ہی سخت مقرر کی گئی ہے اور حکم ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ بظاہر یہ سزا ضرورت سے زیادہ سخت اور بہت ہی ظالمانہ اور وحشیانہ معلوم ہوتی ہے اور غیر مسلموں کی جانب سے آئے دن اس کے متعلق اعتراضات بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں ذرا سی بھی غیر معمولی سختی یا بے انصافی نہیں ہے اور اس قسم کے جرموں کے لئے بالکل اتنی ہی سخت بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ سخت سزائیں ان قوموں میں بھی رائج ہیں جن کے جاذب ہمارے

رحم و انصاف اسلام اور اہل اسلام کو بدنام کرنے کے لئے فوراً ہیجان میں آجاتے ہیں اور جو اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھنے سے پہلے ہماری آنکھ کے تنکے کو دیکھ لیتے ہیں۔ عام قاعدہ ہے کہ ایسے جرائم کو زیادہ سنگین خیال کیا جاتا ہے کہ جن سے قوم کے بہت سے افراد کو یا عامۃ الناس کو نقصان پہنچے یا امن عامہ میں خلل پڑے، چوری ڈاکہ اور رشوت تینوں ایسے ہی جرم ہیں جنکا اثر صرف ان افراد تک محدود نہیں رہتا۔ کہ جنکا نقصان ہوا ہے بلکہ جب چوریوں کی، ڈاکوں کی، یا حکام کی رشوت خواری کی کثرت ہوتی ہے تو پورے شہر یا قصبہ کی آبادی میں ایک تہلکہ مچ جاتا ہے اور کوئی شخص بھی رات کو آرام کی نیند نہیں سو سکتا۔ چوری اور ڈاکہ کے خوف سے لوگ ساری ساری رات جاگ کر گذارتے ہیں اور رشوت کے ڈر سے کوئی شخص عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی جرأت نہیں کرتا۔ چوری اور ڈاکوں کی کثرت عامۃ الناس کے جان و مال کو غیر محفوظ کر دیتی ہے، اور رشوت کی گرم بازاری کے زمانہ میں کوئی مظلوم ظالم کے خلاف فریاد کر کے داد حاصل نہیں کر سکتا اور یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ جن کی موجودگی میں کوئی قوم امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ تینوں جرم سنگین ترین جرائم میں سے ہیں۔ مختلف ملکوں اور سلطنتوں میں ان جرائم کی سزائیں مختلف ہیں۔ لیکن چند ماہ سے لیکر چند سال تک کی قید بامشقت ایک ایسی سزا ہے جسے زیادہ سخت نہیں خیال کیا جاتا اور چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کی بہ نسبت بہت ہی منصفانہ اور رحمدلانہ سمجھی جاتی ہے۔ جہاں تک ان دونوں سزاؤں کی ظاہری صورت کا تعلق ہے یہ نتیجہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن خوشنما اور خوبصورت سزاؤں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے اثرات کے لحاظ سے بھی اچھی اور قابل ترجیح ہوں۔ سلطان ابن سعود نے اپنی تخت نشینی کے بعد حدود شرعی جاری

کر دی تھیں، اور شاید ہی ایسی نوبت پہنچی ہو کہ کسی شخص کا ہاتھ کاٹا جائے لیکن اس سزا کے خوف نے چوروں کو ایسا ڈرا دیا کہ عرب جیسے ملک میں لوگ اس سرے سے اس سرے تک سونا اُچھالتے جاتے ہیں اور کوئی متوجہ بھی نہیں ہوتا۔ اس کے بالمقابل ہم یہ دیکھتے ہیں کہ "مہذب" ملک میں روزانہ کئی کئی ہزار آدمیوں کو قید و بند کی سزائیں دی جاتی ہیں لیکن جرائم کی تعداد گھٹنے کی بجائے برابر روزافزوں ترقی پر ہے اور ایسا اوقات دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں۔ کیا اب بھی کسی کو اس بات کے ماننے میں تامل ہوگا کہ جہاں تک چوری اور ڈاکے کا تعلق ہے ہاتھ کاٹنے کی سزا کا صرف اعلان ہی وہ کام کر دیتا ہے جو قید و بند کی سزا کی سالہا سال کی مشق نہیں کر سکتی اور اگر نوبت یہاں تک پہنچ بھی جائے کہ کسی کا ہاتھ کاٹنا ہی پڑ جائے تو کون سا منصف مزاج شخص سال دو سال یا چار سال کی مدت دراز میں ایک بدمعاش کے ہاتھ کاٹنے کو اس پر ترجیح نہ دے گا کہ ملک میں روز چوریاں ہوں روز ڈاکے پڑیں، روزانہ دس بیس بیگناہ قتل ہوں، ہر روز سو پچاس ایماندار شہری زخمی ہوں، اور قوم کے ہزارہا افراد کو روزمرہ قید کی سزائیں دی جائیں۔ چوری کی سزا میں اسی "مہذب" نرمی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج تہذیب یافتہ ممالک میں بڑے بڑے امراء اور رؤسا کے لڑکے محض تفریح طبع کی خاطر چوریاں کیا کرتے ہیں اور چوری کرنے میں کمال حاصل کرنے کو بھی انسانی کمالات کی فہرست میں شامل و داخل سمجھتے ہیں۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ٹھیک سہی، پھر بھی ہاتھ کاٹ کر انسانی خون سے زمین کو رنگین کرنا محض اس لئے کہ اس ہاتھ سے مجرم نے کسی کا کچھ مال چرایا تھا ایک ایسا دردناک نظارہ ہے کہ کوئی رحمدل انسان اسکے دیکھنے

کی تاب نہیں لا سکتا لیکن جب انہی "رحمدل" انسانوں کو ہم جاسوسی کی سزا میں عورتوں تک کو قتل کرتے دیکھتے ہیں تو اس اعتراض کی ذرا سی بھی قیمت ہماری نگاہ میں نہیں رہتی۔ گزشتہ جنگ عظیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی "رحمدل اور منصف مزاج" بھیڑوں نے جس طرح زہریلی گیسوں، بموں، ہوائی جہازوں، آبدوزوں اور ٹینکوں کے ذریعہ سے انسانی خون کے دریا بہا دیئے تھے اس سے بالکل قطع نظر کرکے اگر صرف انہی چند واقعات کو دیکھا جائے کہ جن میں بعض عورتوں کو اس جرم میں سزائے موت دی گئی اور گولیوں سے انہیں اڑا دیا گیا کہ انہوں نے جاسوسی کرکے کچھ دو چار باتیں دشمنوں تک پہنچا دی تھیں، تو حیرت ہوتی ہے کہ اس سزائے موت کو جائز خیال کرنے والے کس طرح چور کی سزا میں صرف ہاتھ کاٹنے کو ناجائز اور ظالمانہ سزا کہہ سکتے ہیں۔ جاسوسوں کو سزائے موت دینے کا مقصد بھی صرف یہی ہوتا ہے کہ دوسروں کو عبرت ہو اور ایسے جرائم کا ارتکاب بند ہو جائے اور چور کا ہاتھ بھی صرف اسی لئے کاٹا جاتا ہے کہ دوسرے چوری کرنے سے باز رہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اگر جاسوس کے گولی مار دینی جائز ہے تو چور کا ہاتھ کاٹنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

چوری کو اسلام نے بدترین قسم کے گناہوں میں داخل کیا ہے جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ السارق یسرق البیضۃ فتقطع یدہ و یسرق الحبل فتقطع یدہ (بخاری و مسلم)

یعنی حضرت ابو ہریرہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہے چور پر کہ وہ ایک انڈا چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور ایک رسی چراتا ہے اور اس کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن الخ (بخاری)

یعنی حضرت ابو ہریرہ کا مقولہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زانی جس وقت زنا میں مشغول ہو تو مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری کرتا ہو تو وہ بھی مومن نہیں ہوتا۔

دوسروں کا مال غصب کر لینا خواہ وہ کسی ذریعے سے بھی ہو اسلام کے نزدیک بدترین فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ○ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْہِ نَارًا وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ○

یعنی اے مسلمانو! ناحق اور ناجائز طور پر ایک دوسرے کا مال خورد برد نہ کیا کرو۔ ہاں اگر باہمی رضامندی سے خرید و فروخت ہو اور اس میں کچھ مل جائے تو وہ جائز ہے، اور خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تمہارے حال پر مہربان ہے اور جو کوئی زور اور ظلم سے ایسا کرے گا تو ہم اسے دوزخ کی آگ میں جھونک دینگے اور یہ بات خدا کے لئے آسان ہے۔

دوسروں کا مال غصب کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھی منع فرما دیا ہے

عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ شبرا من الارض ظلما فانہ یطوقہ یوم القیمۃ من سبع ارضین (بخاری ومسلم)

یعنی زید کے بیٹے سعید کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بالشت بھر زمین بھی کسی کی زور اور ظلم سے لیگا قیامت کے دن اس قطعۂ زمین کو ساتوں زمینوں سے لیکر اور اس کا طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈالا جائیگا۔

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ (مشکوٰۃ)

یعنی ابو حرہ رقاشی اپنے چچا کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! خبردار! ظلم نہ کیا کرو اور دیکھو کسی کا مال اسکی رضامندی کے بغیر تم پر حلال نہیں ہے۔

دوسروں کے مال پر قبضہ کرنے کا ایک ذریعہ رشوت بھی ہوسکتا ہے اس کے متعلق بھی نہایت کھلے ہوئے اور صاف احکام موجود ہیں۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ یعنی مسلمانو! تم آپس میں ناجائز طور پر ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کرو اور نہ مال کو حاکموں کے پاس رسائی پیدا کرنے کا ذریعہ بناؤ کہ لوگوں کے مال میں سے جو کچھ ہاتھ لگے اُسے جان بوجھ کر

ہضم کر جاؤ۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی۔ یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت کی ہے۔

ایک روایت میں اس شخص کے لیے بھی لعنت آئی ہے جو رشوت کی دلالی کرے یعنی کسی سے کسی کو رشوت دلائے۔

عن عمرو بن العاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من قوم یظہر فیہم الزنا الا اخذوا بالسنۃ وما من قوم یظہر فیہم الرشی الا اخذوا بالرعب (مشکوٰۃ) یعنی عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جس قوم میں بھی زنا ظاہر ہوتا ہے وہ ضرور قحط میں مبتلا ہوتی ہے اور جس قوم میں رشوت کا رواج ہوتا ہے وہ ضرور دشمنوں کی طرف سے خوف اور اندیشہ میں گرفتار رہتی ہے۔

مزدوری پوری دینا

مفت میں دوسروں کا مال حاصل کر لینے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں انکی اجرت پوری نہ دیں اور ان سے پورا کام اور پوری محنت لے لینے کے بعد انکی مزدوری میں کمی کر دیں۔ اسلام کی دقیقہ رس نگاہ سے یہ صورت بھی نہیں بچی۔ اور اس نے اپنے پیروؤں کو اس سے بھی منع کر دیا چنانچہ حدیث ہے:۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ ثلثۃ انا خصمھم یوم القیمۃ رجل اعطیٰ بی ثم غدر و رجل باع حرًا فاکل ثمنہ ورجل ن استاجر اجیرًا فاستوفیٰ منہ ولم یعطہ اجرہٗ (بخاری)

یعنی ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن میں تین شخصوں کا دشمن ہونگا۔ ایک وہ جس نے میرے نام سے عہد کیا اور پھر اسے پورا نہ کیا، دوسرا وہ کہ جس نے کسی آزاد انسان کو بیچکر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ کہ جس نے کسی مزدور سے کام کرایا اور اس سے کام تو پورا پورا لے لیا لیکن اسکی اجرت پوری نہ دی۔

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ (ابن ماجہ)

یعنی عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی دیدو۔

قرض

قرض لیکر واپس نہ کرنا بھی ایک ایسی صورت ہوسکتی ہے کہ جس میں ہم دوسروں کا مال مفت میں حاصل کرسکیں اور اس کے متعلق بھی مذہب اسلام میں کھلے ہوئے احکام موجود ہیں۔

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا

فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

یعنی اگر تم میں سے بعض شخص بعض شخص کا اعتبار کرے تو جسکا اعتبار کیا گیا ہے یعنی جسے قرض دیا گیا ہو اُسے چاہیے کہ دینے والے کی امانت کو پورا پورا ادا کرے اور خدا سے جو اس کا رب ہو ڈرے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائیگا تو وہ دل کا کھوٹا ہو اور جو کچھ بھی تم لوگ کرتے ہو وہ اللہ کو سب معلوم ہے

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفس المؤمن معلقۃ بدینہ حتی یقضی عنہ (ترمذی) یعنی ابوہریرہ سے روایت ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا نفس اس قرض کے ساتھ کہ جو اس کے ذمہ ہو معلق رہتا ہو جب تک کہ قرض اس کی طرف سے ادا نہ ہو جائے۔

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اعظم الذنوب عند اللہ ان یلقاہ بھا عبد بعد الکبائر التی نھی اللہ عنھا ان یموت رجل وعلیہ دین لا یدع لہ قضاء دینہ (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوموسیٰ نے روایت کی ہو کہ آپ نے فرمایا کہ جن بڑے گناہوں سے خدا نے منع فرمایا ہو اُن کے بعد سب سے بڑا گناہ خدا کے نزدیک جسے کوئی بندہ لیکر خدا کے حضور میں حاضر ہوگا یہ ہو کہ وہ قرضدار مرے اور اتنا مال بھی نہ چھوڑے کہ اس کے بعد اس کا قرضہ ادا کیا جا سکے۔

صحیح بخاری میں سلمہ بن اکوع سے ایک روایت منقول ہو کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا اور آپ سے اسکی

نماز پڑھنے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس پر کچھ قرضہ تو نہیں ہے جب یہ کہا گیا کہ نہیں تو آپ نے اس کی نماز پڑھائی۔ پھر ایک اور جنازہ آیا اس کے متعلق بھی آپ نے یہی دریافت فرمایا اور جب معلوم ہو گیا کہ اسپر قرضہ تو ہے لیکن وہ کچھ اشرفیاں چھوڑ مرا ہے تو آپ نے اس کی بھی نماز پڑھا دی۔ آخر میں ایک جنازہ اور آیا اور اس کے متعلق آپ کو بتایا گیا کہ وہ قرضدار بھی مرا ہے اور کچھ چھوڑا بھی نہیں ہے جس سے قرض ادا ہو جائے تو آپ نے اس کی نماز نہ پڑھی جب تک کہ قتادہ نے اس کے قرض کا ادا کرنا اپنے ذمہ نہ لے لیا۔

مشکوٰۃ میں ایک حدیث مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص راہ خدا میں قتل کیا جائے اور پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہ خدا میں قتل کیا جائے لیکن اس پر کسی کا قرضہ ہو تو باوجود دو مرتبہ شہید ہونے کے وہ اس وقت تک ہرگز ہرگز جنت میں داخل نہ کیا جائیگا کہ جب تک اس کا قرضہ ادا نہ ہو جائے۔

گداگری

دوسروں کا مال اپنے قبضہ میں کرنے کا ایک ذریعہ گداگری بھی ہے۔ اندھے لولے لنگڑے، بیمار اور ضعیف لوگ جو کسی طرح اپنی روزی نہ کما سکیں ضرور اس بات کے مستحق ہیں کہ ہم ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں اور انہیں زیادہ سے زیادہ آرام اور اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی کا بقیہ زمانہ پورا کرنے کا موقع دیں لیکن بہت سے سست، نکھٹے اور احدی لوگ جنکا محنت کرتے دم نکلتا ہے اور جو کام کرنے سے بھاگتے رہتے ہیں یہ دیکھکر کہ لوگ محتاجوں کو خوشی سے روپیہ پیسہ اور کھانا کپڑا دیا کرتے ہیں، سوال کرنے کا پیشہ اختیار

کر لیتے ہیں اور بدنصیبی سے آج مسلمانوں میں ایسے ہی ذلیل اور قابل نفرت لوگوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس حقیقت سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کی گداگری انسان کو اس بلند اور مرتفع سطح سے گرا کر کہ جہاں قدرت نے اس کی جگہ مقرر کی ہے ذلت و رسوائی کے عمیق غار میں پہنچا دیتی ہے۔ انسانیت کا جوہر شرف مٹ جاتا ہے اور اس کے اخلاق اسقدر رذیل اور پست ہو جاتے ہیں کہ ادنیٰ ترین مخلوق بھی اس سے بہتر ہو جاتی ہے خود محنت کئے بغیر دوسروں کی کمائی میں حصہ لگانا اور اپنے آپ کو معذور اور محتاج ظاہر کر کے دوسروں سے بھیک مانگنا نسل انسانی کے لئے بدترین لعنت ہے جس کی وجہ سے غیرت اور حیا سب دور ہو جاتی ہے اندایا سکتے ایک سور، اور ایک فقیر میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

انسان کو اس کی پست حالت سے ابھار کر اوج کمال پر پہنچانے والا اسلام اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن اور ہمدرد پیغمبر اس بات کو کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ اپنے پیروؤں کو اس لعنت سے آگاہ نہ کرتا۔ چنانچہ حکم فرما دیا کہ

المسائل کدوح یکدح بها الرجل وجهه فمن شاء ابقی علی وجهه ومن شاء ترکه الا ان یسأل الرجل ذا سلطان فی امر لا یجد منه بدا (نسائی- ترمذی)

یعنی سوال کرنا گویا زخم کرنا ہے کہ اس سے سائل اپنے چہرہ کو چھیلتا ہے پس جو چاہے اپنے چہرہ پر گوشت باقی رکھے اور جو چاہے اسے ننگا کر لے البتہ مجبوری اور معذوری کی حالت میں بادشاہ سے سوال کر لے تو جائز ہے۔

من سأل الناس تکثرا فانما یسئل جمرا فلیستقلل اولیستکثر (مسلم) یعنی جو شخص لوگوں سے اس غرض سے مانگے کہ مال و زر جمع

کرلے وہ درحقیقت آگ مانگتا ہے چاہے تو اسکو کم جمع کرے یا زیادہ۔

من نزلت بہ فاقۃ فانزلھا بالناس لم یسد فاقتہ و من نزلت بہ فاقۃ فانزلھا باللہ فیوشک اللہ لہ برزق عاجل او آجل (ابوداؤد و ترمذی) یعنی جس شخص پر فاقہ کی نوبت آجائے اور وہ اسے لوگوں پر اتار دے (یعنی لوگوں سے بھیک مانگنے لگے) تو اس کا فاقہ دور نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے فاقہ کو اللہ پر اتارے تو اسے دیر یا سویر میں رزق دیدیتا ہے۔

لان یاخذ احدکم حبلہ ثم یأتی الجبل فیأتی بحزمۃ من حطب علی ظھرہ فیبیعھا خیر لہ من ان یسأل الناس اعطوہ او منعوہ (بخاری) یعنی اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی رسیاں لیکر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ پر لاد کر لائے اور اسے بیچکر اپنا گذارہ کرے تو وہ اس شخص سے بہت اچھا ہے جو لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے اور وہ بھی اسے کچھ دیں یا نہ دیں۔

من یتکفل لی ان لا یسئل الناس شیئا اتکفل لہ الجنۃ (ابوداؤد) یعنی اگر کوئی شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ دوسرں سے سوال نہ کیا کرے گا تو میں اس کے واسطے جنت کی ضمانت کرتا ہوں۔

ابوداؤد نے ایک انصاری کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے اسے حکم دیا کہ تمہارے گھر میں جو کچھ سامان ہے وہ لے آؤ وہ ایک اونٹ کی کھال اور ایک پانی پینے کا پیالہ لے آیا۔ کیونکہ اس کا کل اثاث البیت یہی تھا۔ آپ نے ان دونوں چیزوں کو نیلام کیا اور اس سے دو درم وصول ہوئے تو ایک درم کا غلہ منگا کر آپ نے اس کے گھر بھیجدیا اور دوسرے

درم سے ایک کلہاڑی خریدی اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے دستہ ڈالا اور اس انصاری کو دیکر اُسے ہدایت فرمائی کہ لکڑیاں کاٹ کر لایا کرے اور بیچا کرے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے ایسی مجبوری کی حالت میں بھی کہ جب صرف ایک بچھانے یا اوڑھنے کی کھال اور ایک پیالہ ہی باقی رہ گیا تھا ایک مسلمان کو اس بات کی اجازت نہ دی کہ وہ بھیک مانگے اور دوسروں کی کمائی میں حصہ لگائے

تیسری بنا فساد

زر و زمین کے متعلق تو اسلام کا یہ زریں اصول آپ کو معلوم ہوچکا کہ کسی شخص کے لئے کسی دوسرے شخص کا مال حلال نہیں ہے بجز اس صورت کے کہ یا تو اُسے خرید لیا جائے یا وہ شخص خود خوشی سے دیدے۔ لہذا اب ہم تیسری بنا فساد یعنی زن کے متعلق احکام اسلام آپ کو بتاتے ہیں۔ ایک عورت اس لئے بنا فساد نہیں ہوتی ہے کہ خدا نے اسکی طینت ہی میں شر یا فساد پیدا کر دیا ہے بعض لوگ ایسے ہیں ضرور جو یہی یقین رکھتے ہیں اور اسلام کے علاوہ بعض دوسرے مذہبوں میں تو عورت کا نام ہی "شیطان کی بیٹی" اور "بس کی گانٹھ" ہے۔ اسلام اس قسم کی لغویتوں سے بہت بالاتر ہے۔ وہ انسان ہونے کے لحاظ سے ایک عورت اور ایک مرد میں کوئی فرق اور کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا اور عورت کو بھی خاص خدا کی بندی اور اسی حد تک نسل انسانی کی ایک صنف خیال کرتا ہے کہ جیسے ایک مرد کو۔ عورت کے بنا فساد ہونے کا باعث خود مرد کی اپنی ہوس کاریاں اور ظلم ہیں۔ اپنے زور جوانی کے نشہ سے مست اور بیخود ہوکر ایک خطاکار اور بدشعار مرد اپنی اور پرائی چیز کا فرق و امتیاز بھولجاتا ہے اور جس طرح دنیا کی اور تمام اچھی اور خوشنما چیزوں پر قبضہ کرنے کی آرزو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اسی طرح وہ ہر اس

حسین عورت کو بھی اپنی "ملکیت" بنا لینے کا خواہشمند ہو جاتا ہے کہ جس پر اسکی نظر پڑ جائے اور یہیں سے فساد کی ابتدا ہوتی ہے۔ دوسرے مذہبوں نے فحش اور زنا کو روکنے کی کسی نہ کسی حد تک تدبیریں کی ہیں، لیکن اسلام زنا کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ خیال کرتا ہے۔ سب سے پہلے تو وہ اپنے پیرؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

یعنی اے پیغمبر تم مسلمانوں سے کہدو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ اس میں انکے لئے زیادہ پاکیزگی ہے لوگ جو کچھ کیا کرتے ہیں اللہ کو سب خبر ہے۔

عورتوں کا اس قدر احترام کہ انہیں دیکھکر نگاہیں نیچی کر لی جائیں یقینی طور پر اس سے زیادہ کارآمد اور مفید ہے کہ انہیں دیکھکر ٹوپی اُتار لی جائے اور اُنکے لئے اپنے پہلو میں کرسی خالی کر دی جائے۔ لیکن اسلام انسانی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے اس لئے وہ صرف اسی ایک حکم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں فحش اور زنا سے بھی روکتا ہے اسکا حکم ہے کہ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ۝

یعنی اے لوگو تم زنا کے قریب بھی نہ جانا کیونکہ وہ بیحیائی ہے اور بہت ہی بُرا چلن ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝

یعنی خدا کے خاص بندے وہ ہیں جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکاریں

اور کسی کی جان بجز اس صورت کے نہ لیں کہ جب جائز ہو۔ کیونکہ اُسے خدا نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوں، اور جو یہ گناہ کرے گا وہ اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر اپنے صحابہ سے بیعت لی وہ یہ تھے:۔

عن عبادۃ بن صامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحولہ عصابۃ من اصحابہ بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تأتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذلک شیئا فعوقب بہ فی الدنیا فھو کفارۃ لہ ومن اصاب من ذلک شیئا ثم سترہ اللہ علیہ فھو الی اللہ ان شاء عفا عنہ وان شاء عاقبہ فبایعناہ علی ذلک (بخاری و مسلم)

یعنی عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور صحابہ کی ایک جماعت آپکے ارد گرد موجود تھی کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری اور زنا کے مرتکب نہ ہو، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے کوئی بہتان نہ بنا کر نہ کھڑا کرو، اور شرع کی باتوں کی نافرمانی نہ کرو۔ جو شخص تم میں سے اس کو پورا کرے گا اس کا اجر خدا پر ہے، اور جو ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس کی سزا دنیا میں پالیگا تو یہ سزا اُسکا کفارہ ہو گی اور جو شخص ان گناہوں میں سے کسی کا مرتکب ہوا اور خدا نے اس کا پردہ ڈھک دیا تو اب اُس کا معاملہ خدا سے ہے وہ چاہے تو اُسے معاف کر دے

اور چاہے تو اسے سزا دیدے۔ ابو عبادہ کہتے ہیں کہ اس پر ہم سب نے آنحضرت سے بیعت کی۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال رجل یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعو للہ ندًا وھو خلقک قال ثم ای قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک قال ثم ای قال ان تزنی حلیلۃ جارک فانزل اللہ تصدیقھا وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ الآیۃ (مسلم و بخاری)

یعنی عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ تیرا خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے، اس نے کہا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا کہ تیرا اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دینا کہ بڑی ہو کر وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوگی۔ اس شخص نے پوچھا کہ اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ تیرا اپنے ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا۔ چنانچہ ان باتوں کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (جو ہم سب سے پہلے لکھ چکے ہیں)۔

دشمنوں کے ساتھ برتاؤ

ایک ہی کنبے اور ایک ہی قوم کے افراد کبھی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ پوری ایک قوم کسی دوسری قوم کی دشمن بن جائے۔ افراد کی دشمنی اور عداوت کا بڑے سے بڑا نتیجہ بھی اگر نکلے تو وہ یہی ہو سکتا ہے کہ دو چار آدمی مقتول و مجروح ہو جائیں، لیکن قوموں کی

آپس کی دشمنی عالمگیر تباہی اور ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ قوموں کی چھوٹی لڑائیوں میں بھی ہزاروں انسانی جانیں اور کروروں روپے کا مال و اسباب ضائع ہوجاتا ہے اور اگر لڑائی ذرا بڑے پیمانے پر ہو گئی تو پھر تباہی اور خون ریزی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ گزشتہ جنگ عظیم میں جب یورپ کی تقریباً تمام قومیں اور یورپ کے علاوہ دوسرے براعظموں کی بھی بعض قومیں باہم دست و گریباں تھیں تو کئی لاکھ انسان اس کی بھینٹ چڑھ گئے تھے، اور زخمیوں کا اور مال و اسباب کی تباہی کا تو کسی طرح شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ حساب کا کوئی درجہ ایسا نہیں ہے جو روپے کی اس تعداد کو ظاہر کر سکے جو بموں گیسوں۔ طیاروں، توپوں، ٹینکوں اور گولوں اور گولیوں کی تیاری پر برباد ہوئی، یا دیہات اور مکانات کی بربادی جہازوں کی غرقابی، پلوں کی شکستگی اور شہروں پر ہوائی حملوں کی بدولت ضائع اور تباہ ہو گئی۔ ہزارہا گاؤں صفحۂ ہستی سے نابید ہو گئے، مال و اسباب سے لدے ہوئے ہزاروں جنگی اور تجارتی جہاز ہمیشہ کے لئے قعر دریا میں فنا ہو گئے اور لاکھوں سر بفلک عمارتیں اس طرح خاک میں مل گئیں کہ گویا کبھی بنی ہی نہ تھیں اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی طرح اس تمام ضائع شدہ روپے کو حاصل کیا جا سکے تو وہ کم سے کم اتنا ہوگا کہ کلکتہ سے پشاور تک بالکل سونے کی سڑک بنجائے اس لڑائی کا ظاہری سبب تو یہ تھا کہ ملک آسٹریا کا ایک شہزادہ قتل کر دیا گیا تھا اور اس کے خونبہا میں یہ سارا خون بہایا گیا لیکن یہ تو صرف ایک بہانہ تھا جو اتفاق سے ہاتھ آگیا۔ ورنہ دنیا میں سینکڑوں شہزادے اور شہریار قتل ہوتے رہے ہیں۔ فی الحقیقت عداوت اور دشمنی کی یہ آگ یورپ کی مختلف قوموں میں مدتوں سے سلگ رہی تھی اور ہر قوم اس بات کے لئے ایک مناسب موقع کا انتظار کر رہی تھی کہ اپنے دشمن کو پامال کر سکے۔ آسٹریا کے شہزادہ کے قتل نے وہ موقعہ مہیا کر دیا اور یکبارگی وقت یورپ کی تمام سلطنتوں میں جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور تمدن اور تہذیب کا کلمہ پڑھنے والے جنگلی وحشیوں اور درندوں کی طرح ایک دوسرے کو لپٹ کر خونریزی اور خونخواری میں مصروف ہو گئے۔ جن قوموں کی زبان پر

"امن و انصاف" کے دعوے سب سے زیادہ تھے وہی سب سے زیادہ ظالم اور فساد انگیز ثابت ہوئیں اور دنیا نے یہ تماشا دیکھ لیا کہ تمدن، تہذیب، اور تعلیم کوئی بھی انسان کو پستی، وحشت اور بربریت کی سطح سے بلند کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ اور بزعم خود ترقی و تہذیب یافتہ انسان آج بھی بہیمیت کے اسی تاریک غار میں پڑا ہوا ہے جہاں وہ ہزاروں برس پہلے تھا اور اگر کچھ فرق ہوا ہے تو صرف اس قدر کہ ہزاروں برس پہلے اس کے ہتھیار صرف تیشہ و تبر یا تیر و خنجر تھے جن کی مدد سے وہ بدقت تمام اپنے دو ایک دشمنوں کو ہلاک کر سکتا تھا اور اب بجلی اور بھاپ کو اپنا غلام بنا کر وہ اس بات پر قادر تھا کہ چند لمحوں کی بمباری میں بڑے سے بڑے شہر کو راکھ اور اینٹوں کا ایک ڈھیر بنا دے۔ سائنس کی ترقیاں اور علمی تحقیقاتیں صرف اس کام آئی تھیں کہ ان کے ذریعہ سے وہ زپیلن اور ٹینک ایجاد کرے زہریلی گیسیں اور پھٹنے والے بم بنائے اور آبدوز اور تارپیڈو کے ذریعہ سے خدا کی زمین پر خدا کے بندوں کا بیدریغ خون بہائے۔ تہذیب اور تمدن کے متعلق اس کے خود ساختہ قوانین اسے اپنے اسلاف سے بہتر انسان کسی طرح نہ بنا سکے اور صدہا سال کی مسلسل کوششوں کے باوجود اسے اپنے بھائیوں کا خون بہانے سے باز رہنا نہ سکھا سکے۔ اس نے ترقی ضرور کی تھی لیکن اس ترقی نے اسے صرف ایک "ترقی یافتہ وحشی" بنایا تھا۔ اس نے علمی تحقیقاتیں ضرور کی تھیں لیکن اس علم نے اسے ایک "ہوشیار درندہ" کے علاوہ اور کوئی خطاب نہ دیا تھا اور یہ سب کچھ صرف اس لئے تھا کہ اس نے مذہب کو خیر باد کہکر مطلق العنانی اختیار کر لی تھی، اور اس کے دل پر کسی ایسی روحانی قوت کی حکومت نہ تھی جو اس کے پست اور ذلیل جذبات کو دبا کر اس کے اعلیٰ اخلاق کو ابھار دیتی اور اپنے بھائیوں کے ساتھ انصاف کرنا اور محبت رکھنا سکھا دیتی۔ علم و فضل اور ترقی و تہذیب نے مذہب کی غیر موجودگی میں اس کی بہیمانہ خصلتوں کو بہت ہی روشن اور نمایاں کر دیا۔ اس کا غصہ اب پہلے سے زیادہ تیز تھا اور اس کی نفرت اور عداوت گذشتہ زمانہ کی بہ نسبت اب بہت زیادہ

خطرناک تھی۔ زمانہ جاہلیت میں جب اسے غصہ آتا تھا تو وہ تلوار لیکر نکلتا تھا اور اپنے دشمن کو مقابلہ کے لئے للکار کر اس پر حملہ آور ہوتا تھا اور اس طرح اپنے حریف کو بھی پورا پورا موقع دیتا تھا کہ اپنے دل کے ارمان نکال لے۔ لیکن اس دورِ تہذیب میں اس کا غصہ ایک آسمانی عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور رات کی تاریکی میں اس کے چند ہوائی جہاز بموں سے لدے ہوئے دشمن کے کسی شہر پر پہنچتے ہیں اور اس دشمن یا اس کی فوج پر نہیں بلکہ بےگناہ شہریوں پر اور بے قصور بچوں اور عورتوں پر بم برسا کر دم کے دم میں تمام شہر کو جلا کر خاک سیاہ اور عمارتوں کو مسمار کر کے اینٹوں اور پتھروں کا ایک ڈھیر بنا دیتے ہیں۔ اس کے مشتعل اور برانگیختہ جذبات کو راہ راست پر رکھنے والی لگام یعنی مذہب اب اس کے پاس نہیں ہے، اور ایک بے لگام گھوڑے کی طرح وہ کھیتیوں اور باغوں کو روندتا اور جو رستہ میں آجائے اُسے لاتوں سے پامال کرتا چلا جاتا ہے۔ اب نہ لندن اور پیرس کی خوبصورتی اور نفاست اسے تاخت و تاراج سے روک سکتی ہے اور نہ بغداد و دمشق کی قدامت اسے غارتگری سے باز رکھ سکتی ہے۔ اس کا غصہ اب فی الحقیقت دہکتی ہوئی آگ ہو گیا ہے۔ جو خشک کو بھی جلا دیتا ہے اور تر کو بھی۔ بیماروں اور بوڑھوں پر ترس کھانا، یا بچوں اور عورتوں پر رحم کرنا اب پرانے زمانے کی باتیں ہیں اور اب لنگوروں اور بندروں کا ارتقا پذیر فرزند جب کبھی تلوار میان سے نکالتا ہے تو اس وقت تک اُسے واپس میان میں نہیں ڈالتا کہ جب تک اس کے بازوؤں میں طاقت کی آخری لہر، یا اس کے دشمنوں میں سے کسی متنفس کے جسم میں آخری سانس باقی ہو۔

اسلام کا مقصد اولین یہی ہے کہ انسان کو انسان بنائے اور دنیا سے فتنہ و فساد کو مٹا کر اللہ کی زمین پر کامل امن و امان قائم کر دے۔ وہ انسان کے اس حق کو تو تسلیم کرتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں سے دوستی یا دشمنی کرے لیکن وہ اسے گوارا نہیں کرتا کہ دوستی یا دشمنی کے معاملہ میں وہ بالکل خود مختار اور مطلق العنان ہو جائے۔ وہ

اپنے پیروؤں کو یہ زریں اصول سکھا دیتا ہے کہ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَ الْبُغْضُ لِلّٰہِ - یعنی تمہاری دوستی بھی اللہ کے لئے ہونی چاہیئے اور دشمنی بھی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے ذاتی نفع یا نقصان کی خاطر کسی سے لڑنے یا اس کی جان لینے کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں۔ وہ ہمیں لڑنے کی اجازت ضرور دیتا ہے کیونکہ جب تک اس دنیا میں مختلف الخیال انسان آباد ہیں اس وقت تک جنگ اور خونریزی ناگزیر ہے۔ لیکن لڑنے کا جو حکم دیتا ہے وہ یہ ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

یعنی اے ایمان والو خدا کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہو اور ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی عداوت تم سے ناانصافی کرا دے۔ ہر حال میں انصاف ہی کرو کیونکہ انصاف پرہیزگاری سے بہت قریب ہے اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا کو اس کی خبر ہے۔

ابتدائے اسلام میں یہودیوں نے مسلمانوں کو بڑے بڑے آزار پہنچائے اور برابر اس فکر میں لگے رہے کہ جس طرح بھی ہو اسلام کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیں لیکن ان ہی دشمنوں کے متعلق باری تعالیٰ کی درگاہ سے پیغمبر اسلام کے نام یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ یعنی اگر تم ان کے یعنی یہودیوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے خانہ کعبہ کو تشریف لئے جا رہے تھے رستہ میں کفار مکہ نے آپ کو روک دیا اور تمام مسلمان حج و زیارت کی حسرت دل میں لئے ہوئے لوٹے۔ لیکن ان کفار کے ساتھ برتاؤ کرنے

متعلق بھی خدائے پاک کا یہ حکم نازل ہوا کہ

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○

یعنی تمہیں جو بعض لوگوں نے خانہ کعبہ میں جانے سے روکا ہے تو ایسا نہ ہو کہ یہ عداوت تمہارے لئے ان پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کا باعث بن جائے۔ تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں شرکت کیا کرو۔ ظلم اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ دیا کرو، اور خدا کے غضب سے ڈرتے رہو اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

مسلمانوں پر جب کفار قریش حملہ آور ہوئے اور جنگ کی ابتدا کر دی تو مسلمانوں کو حکم ملا کہ۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○

یعنی جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو۔ لیکن کوئی زیادتی نہ کرنا اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

کفار سے لڑنے کے متعلق مسلمانوں کو یہ حکم بھی ملا ہے کہ

وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ○

یعنی جب تک کفار خانۂ کعبہ کے پاس تم سے نہ لڑیں تم بھی اس جگہ ان سے نہ لڑو لیکن اگر وہ لوگ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں قتل کرو ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر

اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان سے اس وقت تک لڑو جبتک کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے اور خدا کی حکومت قائم ہوجائے پھر اگر وہ فساد سے باز آجائیں تو اُن پر کوئی زیادتی نہ کرو کیونکہ زیادتی تو ظالموں کے سوا اور کسی پر جائز ہی نہیں ہے۔

ایک حکم یہ ملا ہے کہ

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

یعنی جو تم پر کسی قسم کی زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی اس پر تم بھی کرو اور زیادتی کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ سمجھتے رہو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔

لڑائی کے جواب میں لڑائی اور زیادتی کا جوابی زیادتی جائز قرار دینے کے بعد مسلمانوں کو یہ حکم ملتا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

یعنی خدا کے یہاں اجر ان لوگوں کے لئے ہے کہ جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اچھی بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن جو معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا

کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کا بدلہ لے تو یہ لوگ معذور ہیں ان پر کوئی الزام نہیں الزام ان پر ہی جو ناحق لوگوں پر ظلم اور ملک میں زیادتیاں کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

دشمن کو اپنے یہاں پناہ دینے کے متعلق مسلمانوں کو یہ حکم ملا ہے کہ

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ۝ یعنی اے پیغمبر اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو اور اس وقت تک اسے اپنی پناہ میں رکھو کہ وہ خدا کا کلام سن لے اور پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لئے ضروری ہے کہ یہ لوگ اسلام سے واقف نہیں ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ صلح کرنا

جنگ کے متعلق تو مسلمانوں کو یہ قطعی حکم مل چکا تھا کہ تم صرف ان لوگوں سے لڑ سکتے ہو کہ جو تم سے لڑیں اور اس حالت میں بھی ان پر زیادتی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ بلکہ زیادتی کے بدلہ میں زیادتی کو جائز قرار دینے کے بعد بھی مسلمانوں سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر تم معاف کر دو تو خدا تمہیں اس نیکی کا اجر دیگا۔ اب ایک نظر ان احکام پر بھی ڈال لیجئے کہ جو صلح سے متعلق ہیں۔ خدائے پاک کا ارشاد ہے کہ

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝

یعنی اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اسی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ

پر بھروسا رکھو وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے اور اگر ان کا ارادہ تم سے دغا کرنے کا بھی ہو تو تم کچھ پرواہ نہ کرو۔ تمہارے لئے اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے اپنی مدد سے اور مسلمانوں کی جماعت سے تمہیں قوت دی۔

مسلمانوں کے لئے ہر قوم اور ہر ملت کے ساتھ صلح رکھنی اس قدر ضروری ہے کہ اگرچہ اندیشہ بھی ہو کہ صلح کر لینے کے بعد یہ لوگ اپنے عہد سے پھر جائیں گے اور دغا کرینگے تب بھی مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ صلح کی درخواست کو رد کریں اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے اسلام کو صلح کس قدر عزیز ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آپ کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنائے۔ آپ کی حیات طیبہ میں ہمیں ہر قسم کے نشیب و فراز ملتے ہیں اور انسان کو اپنی زندگی میں معمولاً جن باتوں سے سابقہ پڑا کرتا ہے وہ سب آپ کی زندگی میں موجود ہیں۔ ایک سے زیادہ موقعوں پر حضور انور روحی فداہ نے جنگ میں شرکت فرما کر لوگوں کو یہ بتا دیا تھا کہ لڑائی کن اصولوں کے ماتحت اور کن حالات میں جائز ہے۔ اسی طرح ایک موقعہ پر آپ نے کفار مکہ کے ساتھ صلح کر کے مسلمانوں کے لئے اس بات کا نمونہ بھی قائم کر دیا کہ انہیں صلح کو کس حد تک عزیز رکھنا چاہیئے۔ مسلمان کئی لڑائیوں میں اپنی بہت ہی مختصر جماعت سے جو کافی طور پر مسلح بھی نہ تھی کفار مکہ کی بہت بڑی بڑی فوجوں کو جن کے پاس ہتھیار بھی اچھے اور پوری مقدار میں تھے شکست دے چکے تھے۔ ان شکستوں نے ایک طرف تو مسلمانوں کی ہمتیں بڑھا دی تھیں اور دوسری طرف کفار قریش کے دل پر مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد میں بھی برابر اضافہ ہو رہا تھا اور جب اُن کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہنچ گئی تو جناب رسالت مآب نے ارادہ کیا کہ زیارت کعبہ سے مشرف ہوں۔ چنانچہ آپ تقریباً

ایک ہزار مسلمانوں کی معیت میں عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور قربانی کے اونٹ بھی ہمراہ ساتھ لے لئے تاکہ کفار قریش کو یہ دھوکا نہ ہو کہ مسلمان لڑائی کے ارادہ سے چڑھ کر آئے ہیں۔ اس قدر اعلان کے باوجود اہل قریش نے گوارا نہ کیا کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوں اور مکہ سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کی راہ روکی۔ مسلمان صرف تین سو کی جماعت سے انہی لوگوں کی ایک ہزار سے زیادہ کی جماعت کو شکست فاش دے چکے تھے اور اب جبکہ انکی اپنی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی تو انہیں پورا پورا اطمینان تھا کہ وہ کفار کی اس فوج کو شکست دیکر مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں کہ جس نے ان کا رستہ روکا تھا۔ زیارت کعبہ کا اتنا شوق اور اپنی جمعیت پر اس قدر اطمینان ہونے کے باوجود اس پیغمبر برحق نے کہ جو تمام دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوا تھا یہ پسند نہ کیا کہ لڑائی ہو اور گو اس میں مسلمانوں کی کسی قدر توہین ہوتی تھی پھر بھی خود اپنی طرف سے کفار مکہ کو پیام صلح بھیجا۔ بہت سی گفت وشنید اور نامہ و پیام کے بعد بالآخر صلح کی شرطیں طے ہوئیں۔ شرائط نامہ لکھا جانے لگا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو اس کی کتابت کر رہے تھے بسم اللہ لکھ کر اُسے شروع کیا۔ لیکن قریش کے نمائندہ نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم تمہارے خدا کو نہیں مانتے اس لئے ہم بسم اللہ نہ لکھنے دیں گے۔ حضرت علی کے ابرو پر بل پڑ گئے۔ مسلمانوں کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ حضرت عمر کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر پہنچ گیا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر حضرت علی کو حکم دیا کہ کچھ پروا نہیں "بسم اللہ" نہ لکھو۔ با دل ناخواستہ حضرت علی نے بسم اللہ کاٹ دیا اور لکھنا شروع کیا۔ لیکن جب اُنہوں نے محمد رسول اللہ لکھا تو قریش کے نمائندہ نے پھر اعتراض کیا اور کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیں تو پھر ہمارا اور آپ کا اختلاف ہی کیا رہ جاتا ہے۔ سارا اختلاف تو یہی ہے کہ ہم آپ کو خدا کا رسول نہیں مانتے۔

اس لئے بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبداللہ لکھئے۔ اپنے ہادی اور اپنے مرشد کی اسقدر کھلی ہوئی توہین کسی مسلمان کو کیسے برداشت ہوسکتی تھی۔ بالخصوص حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کو دونوں کے چہرے غصہ سے سرخ ہوگئے، ہر مسلمان مضطرب اور بے چین نظر آنے لگا۔

لیکن امن اور صلح کا عاشق پیغمبر اپنی اسی شان اطمینان کے ساتھ مسکرایا اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ کر "ابن عبداللہ" لکھدیں۔ رسول اللہ کے عاشق زار اور غلاموں سے بھی زیادہ فرمانبردار ہونے کے باوجود حضرت علیؓ کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ جناب رسالت مآب کے نام کے ساتھ اس قدر گستاخی کریں اور انہوں نے صاف کہدیا کہ میں کسی طرح بھی ایسی تحقیر اور تذلیل کی جرأت نہیں کرسکتا۔ مسلمانوں کا جوش اور بھی ترقی کرگیا اور ہر شخص اپنے غصہ کو ضبط کرنے کے لئے پہلو بدلنے لگا لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس میں کوئی توہین محسوس کی نہ تذلیل اور حضرت علی سے قلم لیکر خود اپنے دست مبارک سے "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ دیا۔

معاملہ اگر یہیں تک رہتا اور صرف "بسم اللہ" اور "رسول اللہ" کی توہین پر بات ختم ہوجاتی تب بھی کچھ نہ تھا، لیکن دنیا کو امن وصلح کا پیام پہنچانے والے مسلمانوں کی آزمائش ابھی اور بھی ہونی باقی تھی، اور اب خود اُن کے حقوق کی پامالی کی باری تھی۔ صلح کی شرطوں میں سب سے پہلا مطالبہ مسلمانوں سے یہ کیا گیا کہ وہ اس سال اسی طرح محروم واپس چلے جائیں اور اگلے سال پھر حج کرنے کے لئے آئیں۔ اگلے سال بھی آنے کی اُنہیں اس شرط پر اجازت دی گئی کہ بجز ایک تلوار کے اُن کے پاس کوئی اور ہتھیار نہ ہو اور وہ بھی میان سے باہر نہ ہو۔ صرف تین روز اُنہیں مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت دی گئی، اور دس سال کے لئے عہد کیا گیا کہ آپس میں کوئی لڑائی نہ ہوگی معاہدہ کی سب سے زیادہ ہتک آمیز شرط یہ تھی کہ اگر کفار میں سے کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت میں آکر شامل ہوگا تو مسلمان اُسے واپس کردینگے، لیکن مسلمانوں میں

سے اگر کوئی آدمی کفار میں جا ملا تو اُسے واپس نہ کیا جائیگا۔

ان شرطوں کو سُنکر غیور اور باحمیت مسلمانوں کو جس قدر غم اور غصہ پیدا ہوتا کم تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو غصہ سے اس قدر بے تاب ہو گئے کہ اُنہوں نے کسی قدر سخت اور درشت لہجہ میں رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ سچے پیغمبر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ضرور ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں، آپنے جواب دیا کہ ضرور ہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم کفار سے دب کر صلح کریں آپنے فرمایا کہ میں وہی کرتا ہوں کہ جو مجھے درگاہ باری تعالیٰ سے حکم ملتا ہے۔

اسی صلح حدیبیہ کو جسے بادی النظر میں مسلمانوں نے اپنی تذلیل اور توہین خیال کیا تھا اور جو فی الحقیقت ایک ایسے فریق کے لئے کہ جو جنگ میں مغلوب ہوا ہو بلکہ غالب ہی رہا ہو ضرور ہتک آمیز ہونی چاہیئے تھی خدائے پاک نے فتح مبین کے لقب سے یاد فرمایا، اور مسلمانوں نے یہ دیکھ بھی لیا کہ وہ درحقیقت فتح مبین ہی ثابت ہوئی۔ ابھی تک مغائرت اور جنگ کی وجہ سے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ میل جول رکھنے کا کوئی موقعہ نہ تھا، اب صلح ہوتے ہی ان میں باہم تعلقات قائم ہو گئے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے کفار کو مسلمانوں کی ان خوبیوں کا اندازہ کرنے کا موقعہ ملا جو اسلام نے ان میں پیدا کر دی تھیں اُنہوں نے حیرت و استعجاب کے ساتھ دیکھا کہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی اُنکے بھائیوں اور بھتیجوں کی عادات و خصائل میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا ہے اور خونریز اور خونخوار اُن کے اہل وطن جن کی خصوصیات ہی مکر و فریب اور ظلم و جبر تھیں اب بالکل فرشتہ خصلت بن گئے تھے اور ایمانداری اور انصاف اور ہمدردی و رحم میں اُنکی نظیر ملنی مشکل تھی یہ دیکھکر کہ اسلام نے جنگی بدوؤں کو انسان کامل بنا دیا ہے لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف دوڑے اور جو کام کہ صدیوں کی جنگ اور خونریزی سے بھی انجام کو نہ پہنچتا صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے صرف

سال دو سال کے اندر انجام پا گیا۔

یہ سچ ہے کہ مخصوص حالات میں جبکہ کوئی اور چارہ کار ہی نہ رہے۔ اسلام ہمیں اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت دیتا ہے اور ہم سے اس بات کا طالب ہے کہ ایسے موقعوں پر اپنی جان سے اسلام کی خدمت کرنے میں دریغ نہ کریں لیکن ان مخصوص حالتوں کے علاوہ اور ہر موقعہ پر وہ ہم سے اسی بات کا خواہاں ہے کہ ہم اپنے حسن خلق سے اور اپنی صلح پسندی سے دشمنوں کے دلوں کو مسخر کریں خواہ ایسا کرنے کے لئے ہمیں کسی قدر دبنا اور اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔

دشمنوں کی عورتیں اور بچے

"مہذب" دنیا کا خیال ہے کہ عورتوں بوڑھوں اور بچوں کے قتل سے پرہیز کرنا انکی اپنی ایجاد ہے اور اس سے پیشتر ان کمزور ہستیوں کا کوئی لحاظ نہ کیا جاتا تھا، لیکن یہ بالکل غلط ہے "مہذب دنیا" میں آج بھی با ایں ہمہ ادعائے تہذیب بلا تکلف اور بے دریغ عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ یورپ کی جنگ عظیم میں عورتوں کو جاسوسی کے الزام میں سزائے موت دی گئی اور ایک انگریز خاتون مس ایڈتھ کیول کا نام ابھی لوگوں کی یاد سے محو نہ ہوا ہوگا جسے جرمن حکومت نے اس جرم میں گولی کا نشانہ بنایا تھا کہ اس نے جاسوسی کی تھی۔ اس کے علاوہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے جب دشمن کے شہروں پر بم برسائے جاتے ہیں تو اس وقت عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے تقریباً ہر ہوائی حملہ میں جس طرح مرد مقتول و مجروح ہوئے اور ہوتے ہیں اسی طرح عورتیں بچے بیمار اور بوڑھے بھی کام آتے رہتے ہیں لیکن اس سنگدلانہ اور بے رحمانہ خونریزی کے بعد بھی "مہذب دنیا" کی زبان پر یہی دعوے ہے کہ وہ عورتوں اور بچوں کا احترام کیا کرتی ہے" دنیائے مہذب" کے مدعیوں دکھاد

کی خاطر تو عورتوں کا بہت کچھ احترام کرتے ہیں انہیں دیکھتے ہی تعظیماً ٹوپی اُتار کر سلام کیا جاتا ہے، اور اگر جہاز ڈوبنے لگے تو جان بچانے والی کشتیوں میں پہلے عورتوں اور بچوں کو سوار کرانے کی کوشش کی جاتی ہے اگرچہ مردوں کو ان کشتیوں میں بیٹھنے سے باز رکھنے کے لئے جہاز کے کپتان کو بار بار اپنا پستول دکھانا پڑتا ہے لیکن دشمنی کی حالت میں وہ احترام سب غایب ہو جاتا ہے اور اس وقت جبکہ جذبۂ نفرت اور جذبۂ انتقام اپنا کام کر رہا ہو تو مغرب کا مہذب انسان مشرق کے ایک وحشی سے شاید ہی کچھ بہتر ہوتا ہے

اسلام نے پہلے دن سے عورتوں، بچوں، بوڑھوں، کمزوروں اور ایلچیوں کے اس حق کو تسلیم کیا ہے کہ خواہ کسی قوم یا قبیلہ سے کیسی ہی دشمنی اور عداوت کیوں نہ ہو لیکن ان میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائیگا۔ ایسے بہت سے اتفاقات ہوئے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں کے دربار میں ایلچیوں نے نہایت گستاخانہ تقریریں کی ہیں ایسی گستاخانہ کہ ایک شخصی سلطنت کا فرمانروا اُن کی سزا یقینی طور پر یہی دیتا کہ مقرر کو قتل کر دیا جاتا۔ لیکن ایسے نازک موقعوں پر بھی ان بادشاہوں نے احکام اسلام کا احترام کیا اور اس اصول کو نہ بھولے کہ ایلچی کا قتل جائز نہیں ہے۔

عن رباح بن الربیع قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ فرأی الناس مجتمعین علی شیء فبعث رجلا فقال انظر علی ما اجتمع ھؤلاء فجاء فقال علی امرأۃ قتیل فقال ما کانت ھذہ لتقاتل وعلی المقدمۃ خالد بن الولید فبعث رجلا فقال قل لخالد لا تقتل امرأۃ ولا عسیفا (ابو داؤد)

یعنی رباح بن ربیع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم کسی لڑائی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ نے ایک مقام پر لوگوں کو جمع دیکھکر ایک شخص کو ادھر بھیجا اور فرمایا کہ دیکھو یہ لوگ کس چیز پر ہجوم کئے ہوئے ہیں وہ گیا اور آکر بتایا کہ سب لوگ ایک

مقتول عورت کی لاش پر جمع ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عورت تو جنگ کرنے اور لڑنے کے قابل نہ تھی۔ مقدمۃ الجیش خالد بن ولید تھے۔ آپ نے ایک شخص کو اُنکے پاس بھیجا۔ اور حکم دیا کہ ان سے کہدو کہ نہ کسی عورت کو قتل کیا جائے اور نہ کسی اجیر یا مزدور کو۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء و الصبیان (بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔

اہل کتاب کے ساتھ برتاؤ

آغاز اسلام میں مسلمانوں کو یا تو ان مشرکوں سے واسطہ پڑا تھا جو بت پرستی کیا کرتے تھے اور خدا کی ہستی کے قائل نہ تھے یا یہودیوں اور عیسائیوں سے جن کے پاس حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی معرفت توریت اور انجیل کی صورت میں کلام ربانی پہنچ چکا تھا۔ ایسی قوموں کو کہ جن کے پاس کوئی الہامی کتاب موجود ہے اصطلاح میں اہل کتاب کہا جاتا ہے۔ یہ اہل کتاب اگر اپنے پیغمبروں کی تعلیمات کو فراموش نہ کر دیتے، اور انکی لائی ہوئی آسمانی کتابوں کی حفاظت کرکے انہیں انسانی تحریف سے محفوظ رکھتے تو پھر اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ بار بار نئی کتابیں درگاہ باری تعالیٰ سے نازل ہوتیں کیونکہ خدا کی طرف سے جب کبھی جہاں کہیں اور جس کسی کی معرفت بھی پیغام آیا وہ وہی ایک پیغام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو پیغام لیکر آئے وہ وہی ہے جو آپ سے پہلے آدم و نوح، سلیمان و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ نے دنیا کو پہنچایا تھا۔ انسان کی فراموش کاریوں اور لوگوں کی غفلت شعاریوں کی وجہ سے اسلام سے پہلے ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ آسمانی کتابوں کی قطعاً کوئی حفاظت

نہ کی گئی اور توریت و انجیل اب وہ توریت و انجیل نہیں ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

ان خرابیوں کے باوجود بھی اہل کتاب سے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ جس پیغام کو وہ اپنے پیغمبر کے واسطہ سے سن چکے تھے۔ جب ہی پیغام کوئی دوسرا شخص انہیں سنائیگا تو وہ اُسے گوش دل سے سنیں گے اور اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے میں سب سے زیادہ روڑے جن لوگوں نے اٹکائے وہ یہی اہل کتاب تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کبھی اس بات پر غور کرنیکی کوشش نہ کی کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت اسی دین متین کی آخری اور مکمل صورت ہے جو حضرت آدمؑ سے لیکر اسوقت تک چلا آرہا ہے اور جس کے حامل خدا کے تمام برگزیدہ پیغمبر تھے۔ اُنہوں نے محض اس تعصب کی بنا پر کہ اسلام کا نام دین موسیٰ یا دین عیسیٰ نہ تھا اس کی انتہائی مخالفت کی اور اسے دنیا سے فنا کر دینے کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں۔ اس طرح چونکہ اہل کتاب بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو اُن کے ساتھ برتاؤ کرنے کے متعلق بھی مخصوص احکام ملے اور ایسے احکام ملے کہ جن پر مسلمان جس قدر ناز کریں بجا ہے۔ اسلام کی طرف سے مسلمانوں کو یہ حکم نہیں ملا تھا کہ بس تلواریں ہاتھ میں لو اور تمام یہودیوں اور عیسائیوں کو مع زن و بچہ قتل کر دو جیسا کہ بعض مقامات پر اُنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے بلکہ یہ حکم ملا کہ

وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

یعنی مسلمانو تم اہل کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کیا کرو مگر ایسے طریق پر کہ وہ بہت ہی

شائستہ اور عمدہ ہو سوائے ان لوگوں کے کہ جو اُن میں سے ظلم کریں اور اُن سے کہہ دو کہ ہم تو ان کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں جو تم پر نازل ہوئیں اور اس کتاب پر بھی جو ہم پر نازل ہوئی اور ہمارا تمہارا خدا تو ایک ہے اور ہم اسی کے سامنے سر جھکاتے ہیں اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ۔

یعنی مسلمانو! آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا (سوائے حرام چیزوں کے) تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے متعلق درگاہ باری تعالیٰ سے یہ حکم ملا کہ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط یعنی اگر تم ان کے جھگڑوں قضیوں کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔

غیر قوموں کے ساتھ تعلقات اور میل جول رکھنے کے متعلق مسلمانوں کو وہ حکم ایسے صاف صریح اور واضح ملے ہیں کہ ان کی موجودگی میں پھر کسی اور تفصیل و تشریح کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی اور چونکہ یہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص بھی نہیں ہیں اس لئے ہم ہر ایک قوم کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انہی سے ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

یعنی مسلمانو تم سے جو لوگ دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے

گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے اور منصفانہ سلوک روا رکھنے سے خدا تمہیں منع نہیں کرتا کیونکہ اللہ کو انصاف کرنے والے پسند ہیں لیکن اللہ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں تمہارے دشمنوں کی مدد کی اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھیگا تو گویا وہی مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو بحث مباحثے بھی زیادہ تر اہل کتاب ہی سے کرنے پڑتے تھے اور اب بھی کرنے پڑتے ہیں اور چونکہ بحث میں اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ گفتگو میں سختی اور لہجہ میں درشتی پیدا ہو جائے اس لئے اس کے متعلق بھی مسلمانوں کو یہ حکم ملگیا کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط

یعنی لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف یعنی اسلام کی طرف حکمت کی اور اچھی اچھی نصیحتوں کی باتوں سے بلاؤ اور ان سے بحث کرو تو بہت ہی پسندیدہ طور پر کرو۔

جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے اہل کتاب کے گھروں میں بے اجازت داخل ہونا حلال نہیں کیا ہے نہ ان کی عورتوں کو مارنا حلال کیا ہے اور نہ انکے پھل کھانا۔ (ابو داؤد)

ان تمام مختلف احکام سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اسلام اپنے پیرؤں کو جبر و تشدد یا ظلم و زیادتی کی کسی حالت میں بھی تعلیم نہیں دیتا۔ اسلام کا مقصد وحید یہی ہے کہ دنیا سے فتنہ و فساد مٹ کر ایک خدا کی حکومت قائم ہو جائے۔ کسی پر ظلم ہو نہ زیادتی اور عدل و انصاف ہر شخص کا شعار بنجائے۔ مسلمانوں کو انکے خدائے پاک نے ایک نہایت ہی آسان طریقہ بتا دیا ہے کہ جس کے ذریعہ سے دشمن بھی دوست

بنجاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝

یعنی تو بری بات کو نیک بات کے بدلے میں ٹال دے تو جلد تیرا دشمن بھی تیرا دلی دوست بنجائیگا۔ یہ کام بڑی برداشت والوں کا ہے اور اسے بڑے نصیب والے ہی اختیار کرتے ہیں۔

ہم مسلمانوں کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال زندگی سب سے بہتر نمونہ ہیں کہ جس کی ہم پیروی کریں اور آپ کسی کو برا کہنے بلکہ کسی کے حق میں برا چاہنے سے بھی حد سے زیادہ پرہیز کرتے تھے۔ ایک حدیث ہے

قیل یا رسول اللہ ادع اللہ علی المشرکین والعنھم فقال انی انما بعثت رحمۃ ولم ابعث لعانا (مسلم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے کہا یا رسول اللہ مشرکوں کے حق میں خدا سے بد دعا کیجے اور ان پر لعنت بھیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو رحمت کے لئے بھیجا گیا ہوں لعنت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔

آج ہم مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ مشرکین تو الگ رہے، رات دن خاص مسلمین اور مومنین پر بھی لعنت بھیجتے رہتے ہیں اور خدا سے بد دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

جانوروں کے ساتھ برتاؤ

تمدن کی وجہ سے بہت سے جانور بھی ایک بڑی حد تک انسان کے ساتھی بن گئے ہیں اور ان سے ہر وقت کام پڑنے کی وجہ سے ہمارا ان کا رات

دن کا سابقہ ہو گیا ہے۔ اُن جانوروں کے علاوہ کہ جن کی خدمات سے ہم ہر وقت مستفید ہوتے رہتے ہیں اور بھی ہزاروں قسم کے جانور ہیں جن میں بعض ہمارے دشمن ہیں اور جب موقع پاتے ہیں ہمارے ابنائے جنس کو ہلاک کرتے رہتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ جو نہ ہمارے دوست ہیں نہ دشمن اور ہم سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتے. ہمارے ہادی برحق نے ہمیں تمام جانداروں کے ساتھ مہربانی اور رحم کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا ہے سوائے اُن چند موذی جانوروں کے کہ جو ہمارے دشمن ہیں اور ہمارے بھائیوں کی جان لیتے رہتے ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مسافر کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی وہ ایک کنوئیں پر پہنچا اور اس میں اتر کر پانی پیا جب باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کو چاٹ رہا ہے اُسے ترس آیا اور اس خیال سے کہ پیاس کی وجہ سے جیسی تکلیف مجھے تھی ویسی ہی اس کو بھی ہوگی وہ پھر کنوئیں میں اُترا اور اپنے موزہ میں پانی بھر کر لایا اور اس کتے کو پلایا۔ اللہ تعالے نے اس شخص کی نیکی قبول فرمائی۔ اس پر لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا جانوروں سے نیک سلوک کرنے کا بھی اجر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہر ایک جاندار سے اچھا سلوک کرنے کا اجر ہے۔

عبدالرحمن بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اور کچھ اور لوگ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر تھے۔ راستے میں ہم نے ایک پرندہ دیکھا جسے لال کہتے ہیں اس کے ساتھ دو بچے تھے وہ ہم نے پکڑ لیے وہ پرندہ بیقرار ہو کر چیخنے لگا۔ اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور پوچھا کہ اس کے بچوں کو کس نے پکڑ کر اسے تکلیف دی ہے اس کے بچے چھوڑ دو۔ پھر آپ نے ایک چیونٹیوں کا بل دیکھا جس میں ہم نے آگ لگا دی تھی فرمایا یہ کس نے

جلایا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے۔ آپ نے فرمایا کہ آگ کے مالک یعنی خدا کے سوا یہ کسی کے شایاں نہیں ہے کہ کسی مخلوق کو آگ سے عذاب دے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن التحریش بین البھائم (ترمذی، ابوداؤد) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کے لئے جانوروں کو بھڑکانے اور اُکسانے سے منع فرمایا ہے۔

مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ناس یرمون کبشا بالنبل فکرہ ذالک وقال لا تمثلوا بالبھائم (نسائی)
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند آدمیوں کے پاس سے گزرے جو ایک مینڈھے کو باندھ کر اس پر تیر چلا رہے تھے۔ آپ نے نفرت کا اظہار فرمایا اور جانوروں کے اعضا کاٹنے سے منع فرمادیا۔

نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقتل شئ من الدواب صبرا (مسلم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا

من قتل عصفورا عبثا عج الیہ یوم القیٰمۃ یقول یارب ان فلانا قتلنی عبثا ولم یقتلنی لمنفعۃ (نسائی)
یعنی جو شخص کسی چڑیا کو بھی بے ضرورت مار دیگا قیامت کے دن وہ چڑیا اس کے خلاف فریاد کریگی کہ یا اللہ مجھے اس شخص نے کسی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ بے سبب مارا تھا۔

تمت بالخیر

۵۹

بیکس و مظلوم عورت

کے حقوق کی حفاظت کا اگر کسی مذہب نے بیڑا اٹھایا ہے تو وہ اسلام ہے اور یہ زبانی دعویٰ نہیں ہے بلکہ یقینی اور واضح حقیقت ہے جسے کلام الٰہی اور ارشادات رسالت پناہی کے ذریعہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کتاب

اسلام اور عورت

میں مختلف آیات و احادیث نقل کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام نے دنیائے انسانی میں عورت کا کیا درجہ رکھا ہے۔ مرد پر عورت کے حقوق کیا کیا ہیں اور کس طرح وہ انسانی دنیا کی تکمیل میں مرد کے برابر کا حصہ لیتی ہے۔ ضمناً یہ بات بھی معرض بیان میں آگئی ہے کہ دوسرے مذاہب نے عورت کی کیا حیثیت مقرر کی ہے۔ نیز یہ کہ مذہب سے الگ ہوکر بھی جن قوموں نے عورت کی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہے وہ بھی مردوں کی خود غرضی کی وجہ سے عورت کو اس بلندی تک نہ پہنچا سکے کہ جہاں اسلام نے اسے پہنچا دیا ہے۔ کتاب حد سے زیادہ دلچسپ ہے اور فاضل مصنف نے انتہائی عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیکر ایک ایک آیت اور ایک ایک حدیث ڈھونڈی ہے اور پھر ان سب کو ایک بہت ہی دلفریب طریقے پر یکجا کر دیا ہے یہ طاقت خدا نے ڈاکٹر سعید احمد صاحب ہی کے قلم میں دی ہے کہ وہ خشک سے خشک مضامین کو بھی ایک ایسے اسلوب سے بیان کر جاتے ہیں کہ وہ رنگے پھیکے معلوم ہونے کی بجائے بیحد دلکش اور دلآویز ہو جاتے ہیں اور یہ کتاب ڈاکٹر صاحب موصوف کے شاہکاروں میں سے ہے۔ عورت کے متعلق اتنی زیادہ، اتنی مفید اور اتنی صحیح معلومات اور کسی کتاب میں آپ کو نہیں مل سکتی اور ہم ہر مسلم و غیر مسلم سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس سے مستفید ہو۔

قیمت فی جلد ۱۰ علاوہ محصولڈاک

ملنے کا پتہ: مینیجر نظام المشائخ۔ پوسٹ بکس ۱۵ دہلی

محبت کی ایک نگاہ

ایک انسان کی زندگی میں کیسے کیسے انقلاب پیدا کر سکتی ہی اور خونخوار وحشی درندوں کو کس آسانی سے رام کر سکتی ہی اسکا حال

اگر دیکھنا منظور ہے

تو ڈاکٹر سعید احمد صاحب کا دلچسپ اور دلکش افسانہ

پتھر سے ہیرا

ملاحظہ فرمائیے جو اپنی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے بھی معدن اردو کا ایک درخشندہ ہیرا ہی۔ یہ سچا تبلیغی قصہ آپکو بتائیگا کہ اس دنیائے انسانی میں ایک عورت کی سچی ہمدردی اور محبت بھری گفتگو کیسے کچھ جادو کر سکتی ہے یہ قصہ آپکو اس بات کا بھی یقین دلادیگا کہ بچوں کی صحیح تربیت کا طریقہ کیا ہی۔ قصہ اس قدر دل آویز ہے کہ کتاب شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر اسے چھوڑنے کو کسی طرح دل نہیں چاہتا۔ ضخامت ۱۱۲ صفحے قیمت ۱۲ ار

جان سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی

لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسی عزیز چیز کی حفاظت کی طرف سے انتہائی غفلت برتی جاتی ہی بسا اوقات کیسی کیسی عزیز جانیں محض اس لئے ضائع ہوجاتی ہیں کہ ہمیں انکی حفاظت کے طریقے معلوم نہ تھے۔ ہماری زندگی بہت کافی آرام سے گذر سکتی ہی اور ہم میں اکثر بہت طویل زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم ان اصولوں سے پورے طور پر واقف اور ان پر اچھی طرح کاربند ہوں جو حفظ صحت اور درازی عمر کے لئے ضروری ہیں یہ تمام اصول اور بہت سی اور نہایت دلچسپ اور مفید باتیں نہایت ہی سلیس زبان میں ایک کتاب میں جمع کردی گئی ہیں جسکا نام

عمر بڑھانے کے طریقے

ہے۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب اس کتاب کے مصنف ہیں اور اپنی دوسری کتابوں کی طرح اس میں بھی انہوں نے سب سے زیادہ اسی بات کا لحاظ رکھا ہی کہ اس کا ایک ایک حرف ہر شخص کی سمجھ میں آجائے۔ کتاب بیحد دلچسپ اور حد سے زیادہ کارآمد ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف ۱۲ ار علاوہ محصول

دونوں کتابوں کے ملنے کا پتہ:- مینیجر نظام المشائخ پوسٹ بکس ۵ دہلی